عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ کا ترجمان

ہفت روزہ ختم نبوۃ

INTERNATIONAL URDU WEEKLY
KHATM-E-NUBUWWAT
KARACHI PAKISTAN

جلد:۲۶ | ۲۶/شوال تا ۴/ذوالقعدہ ۱۴۲۸ھ مطابق ۸ تا ۱۵/نومبر ۲۰۰۷ء | شمارہ:۴۳

دیندار مسلمانوں کے خلاف سازش

صحابہ کرامؓ کی معیشت کا نقشہ

دعوت و تبلیغ کے اصول اور ہماری ذمہ داری

قبلۂ محبت جب تبدیل ہوتا ہے...

Email: editorkn@yahoo.com

Website: http://www.khatme-nubuwwat.org
http://www.khatm-e-nubuwwat.com

مولانا سعید احمد جلال پوریؒ

کرسی پر نماز

سلیم احمد، کراچی

س:...... مسجد کے اندران لوگوں کے لئے کرسی یا اسٹول رکھے جاتے ہیں جو کھڑے ہو کر نماز ادا نہیں کر سکتے۔ جماعت کے وقت صفوں میں نمازیوں کے درمیان کرسی رکھ کر اوراس پر بیٹھ کر نماز ادا کر سکتے ہیں؟ غالباً حدیث ہے کہ امام کے قریب قریب جماعت اور نماز کا ثواب بہت ملتا ہے، یعنی جو جتنا امام کے قریب ہوگا اس کو ثواب زیادہ ملے گا، کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ صف کے آخری کونے میں کرسی پر نماز ادا کریں اور درمیان میں کہیں بھی کرسی نہ رکھیں، حرم شریف میں نماز کی ادائیگی کے وقت ایسی پابندی دیکھنے میں نہیں آتی۔ ازراہ کرم تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔ جزاک اللہ۔

ج:...... اگر کوئی آدمی واقعی معذور ہے کہ وہ کھڑا نہیں ہو سکتا یا کرسی کے بغیر زمین پر نہیں بیٹھ سکتا تو اس کے لئے کرسی بچھا کر نماز پڑھنا جائز ہے، البتہ جو شخص رکوع سجدہ پر قادر نہیں ہے اس سے قیام بھی ساقط ہو جاتا ہے، وہ بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے، بعض لوگ رکوع وسجدہ کے لئے اشارہ کرتے ہیں مگر کھڑے رہتے ہیں ان کا قیام درست نہیں اور جو لوگ رکوع وسجدہ تو کر سکتے ہیں مگر کھڑے نہیں ہو سکتے ان کو بیٹھ کر رکوع وسجدہ سے نماز ادا کرنا چاہئے ایسے لوگ اگر کرسی پر بیٹھے ہوں تو سامنے کوئی میز وغیرہ رکھ کر اس پر سجدہ کیا کریں، مگر عام طور پر آج کل بلا عذر بھی لوگ ایسا کر لیتے ہیں ان کو اس سے احتیاط واحتراز کرنا چاہئے چونکہ کرسی یا اسٹول دوسرے نمازیوں کے لئے مشکل کا ذریعہ بنتے ہیں اس لئے بہتر ہے کہ وہ صف کے ایک کنارہ پر بچھائے جائیں۔ انشاء اللہ دوسرے کی راحت رسانی کی برکت سے ایسے معذور کو پورا پورا ثواب ملے گا۔

زکوٰۃ کی مد کا مقصد

حاجی منذر محمد، کراچی

س:...... میرا بھائی اور بہنوئی میرے پاس کام کرتے ہیں، ۱۹۹۰ء سے لے کر ۲۰۰۰ء تک میں ذات پاک کی توسط سے خرچ دے رہا ہوں، بھائی کے پانچ بچے اور بہنوئی کے تین بچے ہیں، پہلے میں خلیج میں تھا، باقاعدہ ان کو خرچہ دیتا رہا، لیکن میری ۲۰۰۰ء کے بعد نوکری ختم ہوگئی تو یہ لوگ میرے آسرے پر بیٹھے رہے۔ میرے پاس جو بچی کچی رقم تھی اس سے میں نے دکان کھول لی اور ان دونوں کو بٹھا دیا، ہم لوگ بلوچستان کے ایک پسماندہ اور دور افتادہ علاقے میں رہتے ہیں، یہ دونوں بے روزگار ہیں، جب میں خلیج میں تھا تو ان کو دکان کھول کر دی تھی۔ ۱۹۹۰ء میں کاروبار ختم ہو گیا، چونکہ ہم لوگ اکٹھی چار دیواری میں رہتے ہیں، مرحومہ والدہ کی نصیحت پر کہ ان کو دکان کھول کر دو نوکر کی طرح دونوں کو رکھو جس طرح دوسرے دکان میں نوکروں کو تنخواہ ملتی ہے اسی حساب سے ان کو بھی دو۔ خرچہ تو زیادہ آتا ہے، اگر تمہارے بس میں ہے تو ان کو پہلے کی طرح کھلاتے رہو باقی اپنی زکوٰۃ کے حساب میں لگا لو، تو میں نے ایسا ہی کیا، بہنوئی کی تنخواہ دو ہزار روپے مقرر کی ہے جب کہ خرچہ ہر ایک کا چھ ہزار روپے آتا ہے، میں نے اپنے دل میں یہی ایک مقصد رکھا ہے ان کو تنخواہ کے علاوہ باقی زکوٰۃ کے حساب میں آئیں گے؟ میں اگر بہنوئی کو کہہ دوں کہ باقی تمہارے خرچ کا حصہ زکوٰۃ کے حساب سے دے رہا ہوں وہ کام چھوڑ دیتا ہے گھر بیٹھنے کا خرچہ مجھے دینا پڑے گا؟

ج:...... دوسرے مسئلہ پرچہ پر جواب درج ہے ملاحظہ ہو میرے بھائی سوال کے ساتھ جواب کی بھی جگہ چھوڑنی چاہئے! بہرحال اگر آپ نے اپنے بھائی اور بہنوئی کو دکان پر بٹھاتے وقت ان کو بتلا دیا تھا کہ آپ کی تنخواہ اتنا ہے اور اس کے علاوہ دوسرا خرچہ تنخواہ میں سے نہیں ہوگا بلکہ میری طرف سے ہوگا اور پھر تنخواہ کے علاوہ دوسرا خرچہ دیتے وقت آپ زکوٰۃ کی نیت کر لیتے تھے اور وہ واقعی زکوٰۃ کے مستحق بھی تھے یعنی ان کی ملکیت میں نقد، سونا، چاندی یا مال تجارت میں ایسا کچھ نہ تھا جس کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر تھی تو تنخواہ سے اوپر دیا گیا خرچہ آپ کی زکوٰۃ میں منہا ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔

ہفت روزہ
ختم نبوت
مجلس

جلد: ۲۶ شمارہ: ۴۲ ۲۹/شوال تا ۴/ذوالقعدہ ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۵ تا ۲۱/نومبر ۲۰۰۷ء

مجلس ادارت

مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر
مولانا سعید احمد جلالپوری
علامہ احمد میاں حمادی
صاحبزادہ مولانا عزیز احمد
صاحبزادہ سید محمد سلیمان بنوری
مولانا محمد اسمٰعیل شجاع آبادی
مولانا قاضی احسان احمد

سرپرست
حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم
حضرت مولانا سید نفیس الحسینی صاحب دامت برکاتہم

مدیر اعلیٰ
مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری

نائب مدیر اعلیٰ
مولانا محمد اکرم طوفانی

مدیر
مولانا اللہ وسایا

قانونی مشیر
حشمت علی حبیب ایڈووکیٹ
منظور احمد میو ایڈووکیٹ

سرکولیشن منیجر
محمد انور رانا

کمپوزنگ
محمد فیصل عرفان

بیاد
امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ
مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ
مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اخترؒ
محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ
فاتح قادیان حضرت اقدس مولانا محمد حیاتؒ
مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمودؒ
ترجمان ختم نبوت مولانا محمد شریف جالندھریؒ
جانشین حضرت بنوری حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ
شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ
مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالرحیم اشعرؒ
شہید ختم نبوت حضرت مفتی محمد جمیل خانؒ

اس شمارے میں

دین دار مسلمانوں کے خلاف سازش	۴	مولانا سعید احمد جلال پوری
قبلۂ محبت جب تبدیل ہوتا ہے.....!	۷	محمد انصار اللہ قاسمی
صحابہ کرامؓ کی معیشت کا نقشہ	۱۲	مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ
دعوت و تبلیغ کے اصول اور ہماری ذمہ داری	۱۵	علامہ سید سلیمان ندویؒ
جرم و سزا کا اسلامی نظام	۲۲	مولانا زین العابدین اعظمی
پیکر مساوات......	۲۵	مرسل: ملک جلیل احمد

زر تعاون بیرون ملک
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا: ۹۰ ڈالر، یورپ، افریقہ: ۷۰ ڈالر، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت، مشرق وسطیٰ، ایشیائی ممالک: ۶۰ ڈالر

زر تعاون اندرون ملک
فی شمارہ ۷ روپے، ششماہی: ۱۷۵ روپے، سالانہ: ۳۵۰ روپے
چیک - ڈرافٹ بنام ہفت روزہ ختم نبوت، اکاؤنٹ نمبر 8-363 اور اکاؤنٹ نمبر 2-927 الائیڈ بینک بنوری ٹاؤن برانچ کراچی پاکستان ارسال کریں۔

رابطہ دفتر: جامع مسجد باب الرحمت (ٹرسٹ)
ایم اے جناح روڈ کراچی فون: ۲۷۸۰۳۳۷-۴۲۳۴۴۷۶ فیکس: ۲۷۸۰۳۴۰
Jama Masjid Bab-ur-Rehmat(Trust)
Old Numaish M.A.Jinnah Road Karachi
Ph:2780337, 4234476 Fax:2780340

مرکزی دفتر: حضوری باغ روڈ، ملتان
فون: ۴۵۱۴۱۲۲-۴۵۸۳۴۸۶ فیکس: ۴۵۴۲۲۷۷
Hazori Bagh Road Multan
Ph:4583486-4514122 Fax:4542277

لندن آفس:
35,Stockwell Green
London, SW9 9HZ U.K
Ph:0207-737-8199

ناشر: عزیز الرحمٰن جالندھری مطبع: القادر پرنٹنگ پریس طابع: سید شاہد حسین مقام اشاعت: جامع مسجد باب الرحمت ایم اے جناح روڈ کراچی

اداریہ

مولانا سعید احمد جلال پوری

دین دار مسلمانوں کے خلاف سازش

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

روزنامہ جنگ کراچی کی ایک خبر کے مطابق: مذہبی رجحانات رکھنے والے سیکورٹی اہل کاروں کو وی وی آئی پی پروٹوکول سے ہٹانے کا فیصلہ کرلیا گیا ہے، روزنامہ جنگ کی خبر کا متن ملاحظہ ہو:

”اسلام آباد (آن لائن) شدید مذہبی رجحانات کے حامل پولیس اور دیگر سیکورٹی اداروں کے اہل کاروں کو وی وی آئی پی شخصیات کے پروٹوکول سے ہٹانے کا فیصلہ کرلیا گیا ہے اور پولیس و دیگر سیکورٹی اداروں کو وزارت داخلہ میں رپورٹ پیش کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ذرائع کے مطابق وی وی آئی پی شخصیات، صدر جنرل پرویز مشرف، وزیر اعظم شوکت عزیز، وفاقی وزیر داخلہ آفتاب احمد شیر پاؤ، وزیر ریلوے شیخ رشید اور دیگر اہم شخصیات کی سیکورٹی کو مزید موثر بنانے کے لئے وزارت داخلہ میں اجلاس منعقد ہوا، وفاقی وزیر داخلہ آفتاب احمد شیر پاؤ کی زیر صدارت اجلاس میں فیصلہ کیا گیا ہے کہ ان وی وی آئی پی شخصیات کی حفاظت اور پروٹوکول ڈیوٹی پر مامور شدید مذہبی رجحانات کے حامل پولیس اہل کاروں و دیگر سیکورٹی اداروں کے اہل کاروں کو ہٹادیا جائے اور اس ضمن میں ان اداروں اور پولیس کو ہدایت دے دی گئی ہے۔“ (روزنامہ جنگ کراچی،۲۳/اکتوبر ۲۰۰۷ء،ص:۳)

بظاہر یہ معمول کے سیکورٹی انتظامات کی چھوٹی سی، معمولی اور غیر اہم خبر ہے، لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو اس سے بہت سے پوشیدہ حقائق اور سربستہ رازوں سے پردہ اٹھتا ہے، مثلاً:

۱:......اس خبر سے اندازہ ہوتا ہے کہ مستقبل قریب میں دین و مذہب سے گہری وابستگی رکھنے والے مسلمان ملازمین کو اعلیٰ عہدوں سے روکا جائے گا۔

۲:...... ان کو حساس پوسٹوں خصوصاً سیکورٹی کے مقامات سے ہٹایا جائے گا۔

۳:...... آئندہ کے لئے ان پر عدم اعتماد کی چھاپ لگ جائے گی، اور ان کو شکوک وشبہات کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

۴:...... آئندہ ان کے خلاف سخت چیکنگ کی جائے گی۔

۵:...... آئندہ ان کی شدید اور کڑی نگرانی کی جائے گی۔

۶:...... عین ممکن ہے کہ مستقبل میں ان پر سرکاری ملازمتوں کے دروازے ہی بند کردیئے جائیں۔

۷:...... موجودہ ملازمین کے لئے شدید مشکلات پیدا کی جائیں گی تاکہ وہ خود ہی اپنی ملازمت سے استعفیٰ دے کر ان پوسٹوں اور ملازمتوں کو دین ومذہب سے باغی افراد کے لئے خالی کردیں۔

۸:...... آئندہ حساس جگہوں اور سیکورٹی مقامات کے لئے ایسے افراد کا چناؤ کیا جائے گا جو دین ومذہب سے بیزار ہوں، چاہے وہ قادیانی، عیسائی، یہودی اور ہندو ہی کیوں نہ ہوں، مگر ان کا خدا اور رسول سے کوئی واسطہ نہ ہو۔

۹:...... حکومت اور حکومتی اداروں کو کسی قادیانی، عیسائی، یہودی، ہندو اور غیرمسلم سے کوئی خطرہ نہیں، شاید اسی لئے سیکورٹی مقامات سے ایسے کسی فرد یا افراد کے ہٹائے جانے کا کوئی منصوبہ زیرغور نہیں۔

۱۰:...... گویا حکومت اور حکومتی مشینری دین ومذہب اور دینی ومذہبی افراد کے علاوہ کسی سے برسرپیکار نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس کو کسی بیرونی دشمن کا سامنا نہیں ہے۔

۱۱:...... گویا حکومت اور حکومتی ادارے اپنی اسلام دشمنی کا اعتراف کرتے ہوئے یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہم نے جن طبقات کے خلاف میدان سنبھالا ہوا ہے وہی ہمارے دشمن ہیں اور ان سے ہی ہمیں خطرات ہیں، اس لئے ان پر پابندی عائد کی گئی ہے۔

۱۲:...... ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ مسلمانوں کو دین ومذہب سے دور کرنے اور مذہب وملت سے باغی بنانے کی اس سازش ومنصوبہ بندی کا تسلسل ہے، جس میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے متحدہ ہندوستان پر تسلط حاصل کرتے ہی یہ اعلان کردیا تھا کہ حکومتی اور دفتری زبان انگریزی ہوگی لہٰذا جو لوگ انگریزی زبان نہ جانتے ہوں وہ ہمارے ہاں ملازمت کے اہل نہیں۔ گویا جس طرح ان تمام حضرات پر، جو عربی، فارسی یا اردو جانتے تھے، بیک جنبش قلم ملازمت کے دروازے بند کردیئے گئے تھے اور مجبوراً اپنی دینی مذہبی زبان کو چھوڑ کر انگریزی کی طرف متوجہ ہوئے اور ان پر انگریزیت کے اثرات آنا شروع ہوگئے ٹھیک اسی طرح ان تمام حضرات کو جو دین ومذہب کے ساتھ گہری وابستگی رکھتے ہیں، اس فیصلہ کے ذریعے دین ومذہب سے بیزاری پر مجبور کیا جارہا ہے۔

۱۳:...... دوسرے الفاظ میں اس فیصلہ سے دین دار مسلمانوں کو باور کرایا گیا ہے کہ اگر سرکاری ملازمت کرنی ہے یا حساس پوسٹوں پر فائز ہونا ہے تو دین ومذہب سے دلی وابستگی کو خیرباد کہنا ہوگا۔

۱۴:...... اس فیصلہ کے ذریعے مسلمانوں کی نئی نسل کو ڈرانا اور دھمکانا مقصود ہے کہ آئندہ تمہارے ظاہر و باطن میں دین ومذہب سے وابستگی کے آثار ونشانات کا پتا نہیں چلنا چاہئے ورنہ مشکلات تمہارا استقبال کریں گی۔

۱۵:...... اس فیصلہ سے گویا نئی نسل کے دل ودماغ سے دینی اور ملی وابستگی کے آثار ونشانات کو کھرچ کھرچ کر صاف کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔

۱۶:...... اس فیصلہ کے ذریعے امریکا اور ان کے اتحادیوں کو یہ پیغام دیا جارہا ہے کہ ہمیں تمہاری معاونت وہمنوائی پر اس قدر مشکلات کا سامنا ہے کہ ملک بھر کا دین دار طبقہ ہمارے خلاف ہے، حتیٰ کہ ہماری فورسز میں شامل دین دار افراد سے بھی ہمیں شدید خطرات ہیں، لہٰذا اس مشکل وقت میں ہمیں تنہا

نہ چھوڑا جائے اور ہماری ہر طرح کی مدد کی جائے۔

پاکستان، اسلامی جمہوریہ ہے اور اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا، سوال یہ ہے کہ اگر ارباب اقتدار اس کو انہی خطوط پر چلاتے جس کے نام پر یہ ملک حاصل کیا گیا تھا، تو مسلم عوام حکمرانوں سے بیزار کیوں ہوتی؟ اور ارباب اقتدار کو اپنی ہی عوام سے خطرہ کیوں ہوتا؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کو اپنے مقصد تخلیق سے ہٹا دیا گیا ہے اور اب ارباب اقتدار کا قبلہ صحیح رخ پر نہیں رہا، چونکہ موجودہ ارباب اقتدار مسلمانوں کی بجائے کفار کے ہمنوا اور ان کے مفادات کے محافظ ہیں، اس لئے فطری طور پر مسلم عوام ان کے اس طرز عمل سے ناخوش ہے۔ کیونکہ مسلمان چاہتے ہیں کہ پاکستان میں ان مقاصد کی تکمیل کی جائے، جن کے لئے یہ ملک معرض وجود میں آیا تھا، مگر افسوس کہ حکمران اس کے لئے تیار نہیں، اس لئے وہ ایسے تمام مسلمانوں کو اپنا دشمن اور حریف سمجھتے ہیں اور ان کی سرکوبی اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ چنانچہ مدارس، مساجد کے خلاف معاندانہ کارروائیاں، دین دار مسلمانوں کے خلاف کریک ڈاؤن، شمالی وزیرستان میں آپریشن وغیرہ سب اسی کا نتیجہ اور شاخسانہ ہے۔

اسلامی تاریخ میں شاید ہی کوئی ایسا حکمران ہوا ہو، یا کسی دور میں ایسے ارباب اقتدار آئے ہوں، جنہوں نے غیر مسلموں سے بڑھ کر مسلمانوں کو اپنا حریف اور دشمن سمجھا ہو، یا دین دار مسلمانوں کی جگہ بے دینوں، ملحدوں اور دہریوں کو اپنا خیر خواہ باور کیا ہو، مگر اے کاش! کہ ہم ایسے دور سے گزر رہے ہیں کہ ہمارے ارباب اقتدار اپنے ازلی دشمن ہندو بنیئے، عیسائی، یہودی اور قادیانی اور دوسرے غداروں سے بڑھ کر دین دار مسلمانوں کو اپنا حریف اور دشمن سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ وہی مسلمان ہیں جن کے آباؤ اجداد نے اس سرزمین کے حصول کے لئے جانی اور مالی قربانیاں دی تھیں اور خون کی ندیاں عبور کر کے اس سرزمین پر آئے تھے اور آتے ہی سجدہ میں گر گئے تھے، مگر آج ان کی اولادوں کے ساتھ یہ ستم ڈھایا جا رہا ہے، چنانچہ ان کو کہا جاتا ہے کہ تم ملک و ملت کے خیر خواہ نہیں ہو، تم قابل اعتماد نہیں ہو، تم سے ناخدایان ملک کو شدید خطرات ہیں، تم حساس پوسٹوں پر نہیں جا سکتے، تم وی وی آئی پی پروٹوکول کے اہل نہیں ہو، اے اللہ ہم کہاں جائیں اور اپنا زخمی سینہ اور چھلنی قلوب کس کو دکھائیں اور اس ظلم و تعدی کی دہائی کس کے سامنے دیں اور کس سے انصاف مانگیں؟؟

ہے کوئی جوان ''بہی خواہان'' ملک و ملت سے پوچھے کہ آج تک کسی دین دار اور دین و مذہب سے گہری وابستگی رکھنے والے مسلمان نے قوم و ملت سے غداری کی؟ یا کسی نے ملکی سرحدوں کی خلاف ورزی کی؟ یا نعوذ باللہ کسی ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث پایا گیا؟ یا اس نے ملکی مفادات کے خلاف کوئی اقدام کیا؟ اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے۔۔۔۔۔۔ کیونکہ بحمد اللہ! اس کی کوئی ایک آدھ مثال اور ثبوت نہیں پیش کیا جا سکتا کہ دین و مذہب سے گہری وابستگی رکھنے والے کسی مسلمان نے ایسی کوئی حرکت کی ہو، اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر۔۔۔۔۔۔ ان پر اس قدر قدغن اور پابندیاں کیوں؟؟؟

اس کے برعکس ایسے افراد اور طبقات جنہوں نے قیام پاکستان کے وقت باؤنڈری کمیشن کے سامنے اپنے علاقے کو پاکستان کا حصہ بنانے کی بجائے ہندوستان میں شامل کرانے پر زور دیا، انہوں نے پاکستان کے ازلی دشمن انڈیا سے روابط مضبوط کئے، اکھنڈ بھارت کا خواب دیکھا، اپنی میتوں کو پاکستان میں یہ کہہ کر امانتاً دبا کہ جب پاکستان ٹوٹ جائے اور دوبارہ اکھنڈ بھارت ہو جائے تو ہماری میتیں ہندوستان لے جائی جائیں، انہوں نے اسرائیل میں اپنے خفیہ مشن کھولے، اسرائیل کی فوج میں شامل ہو کر عربوں پر بارود برسایا، اور انہوں نے پاکستان کے ایٹمی پلان کے نقشے دشمنوں کو مہیا کئے، ان پر تو کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں، بلکہ وہ ہر طرح کے وی وی آئی پی پروٹوکول میں شامل ہو سکتے ہیں، نہیں، نہیں! بلکہ ان کو تو وی آئی پی پروٹوکول دیا جاتا ہے۔ کیا کہا جائے ایسے لوگ پاکستان یا مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں؟؟

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

قبلۂ محبت جب تبدیل ہوتا ہے......!

محمد انصار اللہ قاسمی

موقع ہے صلح حدیبیہ کا، قصہ ہے عروہ بن مسعود ثقفی قریش کے ایک سفارت کار کا، سفارتی گفت و شنید تو خیر جہاں کی وہیں رہی، البتہ اس بہانے انہوں نے اپنی آنکھوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے عشق ومحبت اور عقیدت کا جو نمونہ دیکھا اس کو قریش مکہ کے سامنے جوں کا توں بیان کردیا، عروہ بن مسعود ثقفی کہتے ہیں:

"بھائیو! امیروں اور رئیسوں کا تو ذکر ہی کیا ہے، میں نے نجاشی کی بزم شاہانہ اور قیصر وکسریٰ کے دربار خسروی کا طمطراق بھی دیکھا ہے، مگر محمد ابن عبداللہ کے ساتھی ان سے جتنی عقیدت اور وابستگی رکھتے ہیں اور جو جاہ ووقار میں نے وہاں دیکھا وہ کہیں نظر نہیں آیا، خدا کی قسم! اگر انہیں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تھوکنے کا اتفاق ہوتا تو اس تھوک کو ان کے ساتھی (صحابہ کرامؓ) اپنے ہاتھوں میں لے لیتے اور جسموں پر مل لیتے، ادھر انہوں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے کسی بات کا حکم دیا ادھر تعمیل حکم کے لئے ہلچل شروع ہوجاتی، جب وہ وضو کرتے ہیں تو ان کے ساتھی وضو کا پانی لینے کے لئے ٹوٹ پڑتے اور زمین پر وضو کا پانی بہنے نہیں دیتے، جب وہ بات کرتے ہیں تو ساتھیوں کی آواز پست ہوجاتی، ان کی عظمت ووقار کا یہ حال کہ کوئی بھی انہیں نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔"

یہ صحابہ کرامؓ کی برگزیدہ ہستیاں اور ان کی مبارک زندگیاں ہیں، وہ آسمان رشد وہدایت کے روشن ستارے ہیں، ان کی پاکیزہ زندگیوں کے یہ تابناک نظارے اور تابندہ نقوش امت مسلمہ میں عشق نبویؐ اور حب رسولؐ کے جذبہ کو پیدا کرنے اور پروان چڑھانے میں بنیادی اور مرکزی درجہ رکھتے ہیں، جاں قربان کرنا، جان نچھاور کرنا، جان دیدینا، وفاداری و جاں نثاری سے متعلق اس طرح کے جملے اور محاورے اپنی پوری حقیقت اور واقعیت کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے کردار وعمل میں موجود تھے، وہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتے تو اس جملہ سے اپنی گفتگو شروع کرتے کہ فداہ ابی وامی یا رسول اللہ! اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان، آج ایک ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ومحبت کے جو جذبات موجزن ہیں، وہ دراصل ان ہی صحابہ کرامؓ کی میراث ہیں، مسلمان اس میراث کے امین ومحافظ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت ومحبت کو باقی رکھنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتۂ غلامی کو قائم کرنے اور رکھنے کا سبب اور ذریعہ بھی یہی میراث ہے۔

> محمدؐ کی "محبت" دین حق کی شرط اوّل ہے
> اسی میں ہو گر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ومحبت کے متعلق صحابہ کرامؓ کے یہ واقعات بتاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں کا رشتہ صرف ایمان ویقین کا نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیدی جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر مان لیا جائے اور بس! ایمان ویقین کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت وعظمت کا تعلق ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے، اس کے بغیر دین وایمان معتبر اور مقبول نہیں ہوتا، اس لئے کہ خود باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم۔" (الاحزاب)

ترجمہ:...... "نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اہل ایمان کے نزدیک ان کی جانوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"لا یؤمن احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہٖ وولدہٖ والناس اجمعین۔"

ترجمہ:...... "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والدین اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے محبوب نہ بن جاؤں۔"

محمد کی ''محبت'' دینِ حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہمارے دلوں کا کعبہ اور ہماری روحوں کا قبلہ ہے، کعبۃ اللہ عبادت و بندگی کا قبلہ ہے تو ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم عقیدت ومحبت کا قبلہ ہے، بیت اللہ شریف یقیناً ''قبلہ'' ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی مرتبت ''قبلہ نما'' ہے، قبلہ کی صحیح سمت اور صحیح جہت معلوم کرنے میں قبلہ نما کی اہمیت، ضرورت اور افادیت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے، کعبۃ اللہ کی جانب ہمارا رجوع ہوتا اسی وقت صحیح اور درست ہوگا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ''قبلہ نما'' کی حیثیت سے ہماری نگاہوں اور دلوں میں ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری غلامی کا رشتہ جتنا مضبوط ہوگا اتنا ہی ہمارا ''قبلہ محبت'' محفوظ ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق ورشتہ میں معمولی بھی جھول رہے گا یا یہ مبارک ومقدس رشتہ کمزور پڑ جائے تو اس سے نہ صرف ہمارا تعلق ختم ہو کر رہ جائے گا بلکہ نعوذ باللہ ہمارا قبلہ محبت صلی اللہ علیہ وسلم تبدیل ہو جائے گا، پھر اس کے بعد عشق و محبت، عقیدت و عظمت، وارفتگی وفاداری و جاں نثاری اور جذبہ فدائیت وفنائیت کے وہ سارے نمونے اور مثالیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ مخصوص تھے وہ ایک دوسرے شخص کے ساتھ نظر آئیں گے۔

اس کی واضح اور کھلی مثال ہمارے قادیانی حضرات کی ہے، ان بھائیوں کو اس کا احساس وشعور ابھی تک نہیں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی دوسرے شخص کو نبی مان لینا در اصل اپنے ''قبلہ محبت'' کو تبدیل کر لینا ہے، اس لئے کہ یہ اصولی بات ہے کہ کسی کو اگر نبی وپیغمبر مانا جائے، اس کی محبت وعظمت بھی دلوں میں بٹھائی جائے گی، قادیانی حضرات نے اگرچہ بے شعوری ہی کے ساتھ کیوں نہیں، اس چیز کو پورے جوش و جذبہ کے ساتھ قبول کیا ہے، قادیانی فرقہ کے بانی اور پیشوا مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کرنے کے بعد اپنے پیروکاروں کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ومحبت اور عقیدت کو کم کرنے کی پوری کوشش کی تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر نعوذ باللہ یہ شخص آ جائے، اس سلسلہ میں اس کی کچھ تحریریں ملاحظہ ہوں۔

ایک جگہ یہ شخص کہتا ہے:

''من فرق بینی وبین المصطفی فما عرفنی ومارانی۔''

(روحانی خزائن، ج:۱۶، ص:۲۵۸، ۲۵۹)

ترجمہ:...... ''جو شخص مجھ میں اور مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تفریق کرتا ہے، اس نے مجھے نہیں دیکھا ہے اور نہیں پہچانا ہے۔''

ایک جگہ یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدمقابل اپنی افضلیت یوں بیان کرتا ہے:

''اس (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں کا، اب تو کیا انکار کرے گا۔''

(روحانی خزائن، ج:۱۹، ص:۱۸۳)

ایک مسلمان درود شریف کا نذرانہ صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھیجتا ہے لیکن مرزا غلام احمد قادیانی اپنے لئے درود کے الفاظ گھڑتا ہے اور اپنا خود ساختہ الہام یوں سناتا ہے:

''تجھ پر عرب کے صلحاء اور شام کے ابدال درود بھیجیں گے، زمین وآسمان تجھ پر درود بھیجتے ہیں اور اللہ تعالیٰ عرش سے تیری تعریف کرتا ہے۔''

(تذکرہ مجموعہ الہامات، ص:۱۲۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں دین کی تکمیل ہوگئی، قرآن مجید میں خود اس کا اعلان کر دیا گیا:

''الیوم اکملت لکم دینکم۔'' (المائدہ)

اس کے برخلاف مرزا غلام احمد قادیانی دین کی تکمیل کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت و جدوجہد کو گھٹا کر بتلانے کی گستاخانہ کوشش کرتا ہے اور اپنے مخصوص پیرایۂ بیان میں ہلال اور بدر کی مثال دے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اسلام کی حالت کا تقابل اپنے دور کے اسلام سے یوں کرتا ہے:

''اسلام ہلال کی طرح شروع ہوا اور مقدر تھا کہ انجام کار آخر زمانہ میں بدر ہو جائے، خدا تعالیٰ کے حکم سے پس خدا تعالیٰ کی حکمت نے چاہا کہ اسلام اس صدی میں بدر کی شکل اختیار کرے۔''

(روحانی خزائن، ج:۲۱، ص:۲۷۵، ۲۷۶)

غرض یہ کہ اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور حیثیت کو نعوذ باللہ گھٹانے کی پوری کوشش کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر اپنی محبت وعقیدت اور عظمت کا سکہ اپنے فرقہ کے پیروکاروں کے دلوں میں جمایا، اس میں یہ شخص کہاں تک کامیاب رہا اس کا اندازہ اس کے عقیدت مندوں اور اس کے چاہنے والوں کی تحریروں سے ہوتا ہے، جو اس کی شان اور اس کے مقام ومرتبہ کے بیان میں لکھی گئی۔

اس سلسلہ میں قادیانی فرقہ کا مشہور ومعروف شاعر قاضی ظہور الدین اکمل کا نام سرفہرست ہے، اپنے پیشوا کا خاص مرید تھا، اس نے مرزا قادیانی سے متعلق اپنی جس عقیدت ومحبت کا اظہار اشعار کی زبان

میں کیا وہ مرزا قادیانی کی تعلیم وتربیت کا نتیجہ ہے، قادیانی شاعر کی نظم ملاحظہ فرمائیں:

امام اپنا عزیزو اس جہاں میں
غلام احمد ہوا دارالاماں میں
غلام احمد ہے عرش رب اکبر
مکاں اس کا ہے گویا لامکاں میں
غلام احمد رسول اللہ ہے برحق
شرف پایا ہے نوع انس و جاں میں
محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں
اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں
محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل
غلام احمد کو دیکھے قادیاں میں

(اخبار ''بدر'' قادیان ۲۵/اکتوبر ۱۹۰۶ء)

مسلمان شعراء اپنے نعتیہ کلام میں مقدس شہر مدینہ کی نسبت سے رسول اللہ کو رسول مدنی کے لقب سے یاد کرتے ہیں، ٹھیک اسی طرح اور اسی طریقہ پر مذکورہ بالا قادیانی شاعر قادیان کی طرف نسبت کرتے ہوئے مرزا غلام احمد قادیانی کو ''رسول قدنی'' کے لقب سے یاد کرتا ہے:

اے میرے پیارے میری جان رسول قدنی
تیرے صدقے، ترے قربان رسول قدنی
تو نے ایمانی ثریا سے ہمیں لا کے دیا
نازش دودہ مسلمان رسول قدنی
عرش اعظم پہ تری حمد خدا کرتا ہے
ہم ہیں ناچیز سے انسان رسول قدنی
پہلی بعثت میں محمد ہے تو اب احمد
تجھ پہ اترا ہے قرآن رسول قدنی
سرچشم تری خاک قدم جو بنواتے
غوث اعظم شہ جیلاں رسول قدنی

(روزنامہ ''الفضل'' قادیان ۱۶/اکتوبر ۱۹۲۲ء)

قادیانی حضرات اپنے پیشوا پر ''صلوٰۃ وسلام'' کا نذرانہ یوں پیش کرتے ہیں:

اے امام الوریٰ سلام علیک
مہہ بدر الدجیٰ سلام علیک
مہدی عہد و عیسیٰ موعود
احمد مجتبیٰ سلام علیک
مطلع قادیاں پہ تو چمکا
ہو کے شمس الہدیٰ سلام علیک
تیرے آنے سے سب نبی آئے
مظہر الانبیاء سلام علیک
مسقط وحی مہبط جبرائیل
سدرۃ المنتہیٰ سلام علیک
کفر کی شب کو کر دیا کافور
مثل شمس الضحیٰ سلام علیک
مانتے ہیں تری رسالت کو
اے رسول خدا سلام علیک

(اخبار ''الفضل'' قادیان یکم جولائی ۱۹۳۰ء)

اس طرح کی گستاخانہ تحریروں سے ہر مسلمان بآسانی اندازہ لگا سکتا ہے کہ قادیانی فرقہ کا قبلہ محبت تبدیل ہوگیا ہے، اس تبدیلی کے بعد ادب و احترام کے سارے مناقب اور اعزاز و اکرام کے سارے مراتب قادیانیوں نے نعوذ باللہ مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف منتقل کر دیے، مثلاً:

''اہل ایمان کو حکم دیا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اپنی آواز بلند مت کرو۔'' (الحجرات)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام سے متعلق اس آیت کو قادیانی حضرات نے اپنے جھوٹے نبی مرزا غلام احمد قادیانی پر چسپاں کرنے کی ناپاک جسارت اور گستاخانہ جرأت کی، اس حوالہ سے مرزا قادیانی کا بیٹا مرزا بشیر احمد ایم اے اپنی کتاب ''سیرت المہدی'' میں ایک واقعہ لکھتا ہے:

''ایک دفعہ ایرانی بزرگ قادیان آئے تھے اور کئی ماہ تک قادیان میں رہے..... غالباً جمعہ کا دن تھا، بعد نماز جمعہ اس بزرگ نے فارسی زبان میں حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کی خدمت میں عرض کیا کہ میری بیعت قبول فرمائی جائے، حضور (مرزا قادیانی) نے فرمایا: پھر دیکھا جائے گا یا ابھی اور ٹھہر، اس پر اس ایرانی بزرگ نے بڑی بلند آواز سے کہنا شروع کیا جس کا مفہوم یہ تھا کہ یا تو میری بیعت قبول فرمائیں یا مجھے اپنے دروازہ سے چلے جانے کی اجازت بخشیں، ان لفظوں کو وہ بار بار دوہراتے اور بڑی بلند آواز سے کہتے تھے، اس وقت مولوی محمد احسن مرحوم نے کھڑے ہوکر سورۃ حجرات کی یہ آیت پڑھی کہ ''یاایھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی'' اور فرمایا کہ مومنوں کے لئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ نبی کی آواز سے اپنی آواز کو اونچی کریں، یہ سخت بے ادبی ہے، آپ کو یوں نہیں کرنا چاہئے۔''

(سیرت المہدی، ج:۳، ص:۱۷۵)

اس کے علاوہ وہ آداب واقعات اور اصطلاحات جو مقدس اور برگزیدہ شخصیات کے ساتھ مخصوص ہیں، ان کو بھی مرزا قادیانی اور اس کے ساتھیوں کے لئے استعمال کیا جانے لگا، مثلاً مرزا قادیانی کی بیویوں کو ''امہات المومنین'' اس کے گھر والوں کو ''اہل بیت'' اس کی بیٹی کو ''سیدۃ النساء'' اس کے ساتھیوں کو ''صحابہ'' کا لقب دیا گیا۔ (تفصیل ملاحظہ ہو کتاب ''ثبوت حاضر ہیں'' مصنفہ محمد متین خالد)

مقدس شہر مدینہ منورہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہونے کی وجہ سے مسلمان اس سے

جذباتی اور عقیدت مندانہ لگاؤ رکھتے ہیں، ٹھیک یہی معاملہ قادیانی فرقہ کے نزدیک مرزا غلام احمد قادیانی سے نسبت کی وجہ سے قادیان کا ہے، ایک قادیانی قادیان کا سفر کرتا ہے، سفر سے پہلے اور وہاں دوران قیام اپنے جذبات واحساسات کا اظہار یوں کرتا ہے،

چند چیدہ چیدہ جملہ اور اقتباسات ملاحظہ ہوں:

''ہم بھی قادیان جائیں گے، ان گلیوں میں پھریں گے جن کے ذروں نے مسیحا کے قدم چومے ان کو چومتے پھریں گے، جنہوں نے وہ پاؤں دم بہ دم چومے، ان ہواؤں میں سانس لیں گے جن میں ہمارے محبوب آقا علیہ الصلوٰۃ (مرزا قادیانی) سانسیں لیا کرتے تھے۔'' اے قادیان کی خاک کے ذرو اڑو اور میرے اوپر پڑ جاؤ، اے قادیان کی فضاؤ میرے اندر سما جاؤ، اے قادیانی معطر ہواؤ میری سانسوں میں اتر جاؤ، اے خاک قادیان کاش مجھے اجازت ہو تو میں تجھے اوڑھ لوں، اس بڑھتے ہوئے حد سے بڑھتے ہوئے فخر میں انتہائی عاجزی محسوس ہوتی تو خاک قادیان پر اپنی جبیں رکھ کر کہتا: اے مالک! اے خالق اے رب:

یہ جبیں تیرے آستاں پر تھی
یہ جبیں تیرے آستاں پہ ہے

''میرے پیارے، آقا، میری روح میری جاں کی پناہ، میری زندگی کے مقصد اعلیٰ، میرے مطاع، میرے محسن'' نے خود روحوں پہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک

قادیان میں جلسہ پھر جمعہ پھر ایام حج پھر عید قربان
یاروں کے تو وارے نیارے ہوگئے
ہر گلی کوچہ میں دیوانے پھرتے ہیں،

ہر گلی کوچہ میں اجلاس شبینہ ہوتا ہے، ایک عجیب سی محبت، عقیدت، فرحت، راحت، عفت چہرہ پر پھیلی ہوئی ہے۔ (اخبار ''البدر'' قادیان ۲۵/جنوری ۲۰۰۷ء مضمون محمد مقصود منیب)

سال ۲۰۰۵ء میں قادیانی فرقہ کے سالانہ جلسہ کے موقع پر قادیانی سربراہ مرزا مسرور احمد نے ہندوستان کا دورہ کیا تھا، اس موقع پر قادیان میں مقیم قادیانی لوگوں سے ملاقات کروائی گئی، قادیانی فرقہ کا ہفت روزہ اخبار ''البدر'' میں قادیانی سربراہ سے ملاقات کرنے والوں کے تاثرات شائع ہوئے، ان تاثرات کو پڑھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو اپنے خودساختہ خلیفہ سے عقیدت ومحبت ایسی ہی ہے جو مسلمانوں کو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء وصحابہ کرام سے ہے۔ ایک قادیانی مرزا مسرور احمد سے

دار العلوم دیوبند کا قیام

بتقدیر خداوندی مغلیہ حکومت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ جب ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کی ناکامی کے بعد بجھ گیا تو انگریز نے ہندوستان سے اسلام کو نکالنے کا بگل بجادیا، چونکہ اس تحریک کی قیادت غیور علماء کے ہاتھ میں تھی، اس لئے انگریز نے انتقامی کارروائی کرتے ہوئے ہزاروں علماء کو تختہ دار پر چڑھادیا اور دوسری جانب علم دین کے مراکز کو اجاڑنا شروع کردیا، اس وقت یورپ کی عیسائی مشنریاں ایک سیلاب کے مانند ہندوستان کی طرف متوجہ ہوئیں اور یہاں کے ناواقف اور بھولے بھالے مسلمانوں کو دام فریب میں مبتلا کرنے میں مصروف ہوگئیں، اس وقت مورخ قلم روک کر ظاہری حالات سے یہ دوٹوک نتیجہ اخذ کررہا تھا کہ اب شاید ہندوستان میں اسلام کا مستقبل تاریک ہوجائے گا، یہاں کی مسجدیں ویران ہوجائیں گی، ٹوپی اور داڑھی کا چلن خواب وخیال بن جائے گا، اور قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں سننے سے ہندوستان کے بام ودر ترس جائیں گے، مگر ان یاس انگیز حالات میں کچھ اللہ کے بندے راتوں میں بارگاہ خداوندی میں سسک سسک کر ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی بقا اور دین برحق کے تحفظ کے اسباب فراہم ہونے کی بھیک مانگ رہے تھے، اللہ ارحم الرحمین کو ان مانگنے والے مخلص ترین بندوں کے ''انداز طلب'' پر ترس آیا اور ابھی ''دلی'' اجڑے ہوئے دس سال بھی نہ گزرے تھے کہ حسرت ویاس کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ''دیوبند'' کی بستی میں ''دارالعلوم'' کی شکل میں ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۷ء میں ایک چراغ روشن ہوا، پھر اس ایک چراغ سے چراغ پر چراغ جلتے رہے اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا برصغیر علم دین کی روشنی سے منور ہوگیا، پھر چند ہی ماہ بعد سہارنپور میں مدرسہ مظاہر علوم قائم ہوا، اس کے بعد اسی نہج پر مراد آباد میں ۱۲۹۹ھ میں مدرسہ الغرباء شاہی مسجد (مدرسہ شاہی) کا قیام عمل میں آیا اور گلاؤٹھی، نگینہ اور امروہہ وغیرہ میں بھی مدارس کا قیام ہوا اور نصف صدی گزرتے گزرتے ملک کے طول وعرض شمال و جنوب میں دینی تعلیم کے چھوٹے بڑے بے شمار مراکز قائم ہوگئے اور آج یہ تعداد بفضلہ تعالیٰ ہزاروں سے متجاوز ہوچکی ہے اور روز افزوں ہے، جن میں سے بہت سے ادارے اپنے اپنے علاقوں میں مرکزی حیثیت کے حامل ہیں۔ (مرسلہ: قاضی احسان احمد)

ملاقات کے بعد اپنا تاثر بیان کرتا ہے:

''خاکسار مع فیملی مورخہ ۲۱/دسمبر ۲۰۰۵ء کو قادیان پہنچا، حضور پرنور (مرزا مسرور احمد) سے ملاقات کی تڑپ لے کر دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس وقت حضور پرنور بہشتی مقبرہ تشریف لائیں گے، فوراً ہم دوسرے عشاق کے ساتھ پیاسی نگاہوں کو راہ پر بچھائے ہوئے قطار میں کھڑے ہوگئے، قلیل انتظار کے بعد وہ نورانی وجود نمودار ہوئے...... بس میرا یہی تاثر ہے کہ وہ وجود نور ہی نور ہے، لفظ لفظ وزنی ہے ہر ادا ان کی قابل تقلید ہے۔''

(غلام احمد اسمٰعیل، اخبار بدر ۲۱/دسمبر ۲۰۰۶ء)

قادیانی فرقہ کے اندر'' قبلۂ محبت'' کی تبدیلی سے اس ملک کی فرقہ پرست جماعتیں اور فاشٹ طاقتیں خاص گہری دلچسپی رکھتی ہیں، بالخصوص اس پس منظر میں کہ وہ عربستان سے یہاں کے مسلمانوں کی دینی و روحانی وابستگی انہیں تھوڑی دیر کے لئے بھی برداشت نہیں ہوتی اور وہ اس کا حوالہ دے کر ملک سے مسلمانوں کی وفاداری کو مشکوک و مشتبہ بنانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں، اس طرح اپنے ناپاک عزائم و منصوبوں کی تکمیل میں انہیں قادیانی فرقہ سے بہت ساری امیدیں اور توقعات وابستہ ہیں، اس سلسلہ میں ایک قوم پرست ہندو مضمون نگار ڈاکٹر شنکر داس بہت ہی وضاحت اور صراحت کے ساتھ اپنی بھرپور ذہانت کا ثبوت دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سب سے اہم سوال جو اس وقت ملک کے سامنے درپیش ہے، وہ یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے اندر کس طرح قومیت کا جذبہ پیدا کیا جائے، کبھی ان کے ساتھ سودے، معاہدے اور پیکٹ کئے جاتے ہیں، کبھی لالچ دے کر ساتھ ملانے کی کوشش کی جاتی ہے مگر کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی، ہندوستانی مسلمان اپنے آپ کو ایک الگ قوم تصور کئے بیٹھے ہیں، اور وہ دن رات عرب کے گیت گاتے ہیں، اگر ان کا بس چلے تو ہندوستان کو بھی عرب کا نام دیدیں......

اس تاریکی میں اس مایوسی میں ہندوستانی قوم پرستوں اور محبان وطن کو ایک ہی امید کی شعاع دکھائی دیتی ہے اور وہ آثار کی جھلک احمدیوں (قادیانیوں) کی تحریک ہے، جس قدر مسلمان احمدیت (قادیانیت) کی طرف راغب ہوں گے وہ قادیان کو اپنا مکہ تصور کریں گے اور آخر میں محب ہند اور قوم پرست بن جائیں گے مسلمانوں میں احمدیہ (قادیانی) تحریک کی ترقی ہی عربی تہذیب اور ان میں اسلام ازم کا خاتمہ کرسکتی ہے۔

جس طرح ایک ہندو کے مسلمان ہوجانے پر اس کی عقیدت رام کرشن، وید، گیتا اور رامائن سے اٹھ کر قرآن اور عرب کی جھولی میں منتقل ہوجاتی ہے، اسی طرح جب کوئی مسلمان احمدی (قادیانی) بن جاتا ہے تو اس کا زاویہ نگاہ بدل جاتا ہے، حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اس کی عقیدت کم ہوتی چلی جاتی ہے، علاوہ بریں جہاں اس کی خلافت قادیان میں آجاتی ہے اور مکہ مدینہ اس کے لئے روایتی مقامات مقدسہ رہ جاتے ہیں، قادیان کی سرزمین اس کے لئے (سرزمین نجات) ہے اور اسی میں ہندوستان کی فضیلت کا راز پنہاں ہے، ہر احمدی (قادیانی) کے دل میں ہندوستان کے لئے پریم ہوگا، کیونکہ قادیان ہندوستان میں ہے، مرزا احمد بھی ہندوستانی تھے اور اب جتنے خلیفے اس فرقہ کی رہبری کررہے ہیں، وہ سب ہندوستانی ہیں۔'' (اخبار ''وندے ماترم'' ۲۲/اپریل ۱۹۳۲ء، بحوالہ قادیانیت تحقیق تجزیہ)

غرض یہ کہ جب ''قبلۂ محبت'' بدل جاتا ہے تو نبی و رسول سے لے کر تمام مقدس و برگزیدہ ہستیاں، روحانیت اور دینداری سے متعلق تمام تبدیلی کی زد میں آجاتے ہیں، اس لئے مسلمانوں کو اپنے ''قبلۂ محبت'' آقا دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق و رشتہ کے بارے میں بہت ہی بیدار اور آگاہ رہنا چاہئے ورنہ غفلت و بے شعوری میں خدانخواستہ ان کا بھی ''قبلۂ محبت'' تبدیل نہ ہوجائے۔

آخر میں اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری سمجھا جاتا ہے کہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے قیام اور اس کے کام کا مقصد صرف قادیانی فرقہ کی مخالفت کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا بنیادی مقصد اپنے قبلہ محبت کا تحفظ کرنا ہے، بحمد اللہ! وہ اس میں ترقی و کامیابی کی طرف رواں ہے، بالخصوص دیہی علاقوں میں قادیانی فرقہ کس جانب سے قبلۂ محبت کی تبدیلی کی ناپاک کوششوں پر اس نے زبردست روک لگائی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عاشق، ہر شیدائی اور فدائی کی خدمت میں مجلس تحفظ ختم نبوت کا پیغام یہی ہے کہ:

زندگی کی راہ میں پیش آئیں کانٹے یا کہ پھول
چھوٹنے پائے نہ ہرگز دامن عشق رسول

☆☆............☆☆

صحابہ کرامؓ کی معیشت کا نقشہ

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت (دولت خانے سے) باہر تشریف لائے، جس میں باہر تشریف لانے اور کسی سے ملاقات کرنے کا معمول مبارک نہیں تھا، اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں پہنچ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ابوبکر! کیسے آنا ہوا؟ عرض کیا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے، آپ کے چہرۂ انور کے دیدار سے مشرف ہونے اور آپ کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے لئے۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حاضرِ خدمت ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر! کیسے آنا ہوا؟ عرض کیا: یارسول اللہ! بھوک ہے، فرمایا: میں بھی کچھ یہی محسوس کررہا ہوں۔ پس حضرت ابوالہیثم بن تیہان انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف چلے، ان صاحب کے یہاں کھجور اور بکریاں بہت تھیں، اور ان کے نوکر چاکر نہیں تھے۔ ان کے گھر پہنچے تو وہ گھر پر نہیں تھا، ان کی اہلیہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ: ہمارے لئے میٹھا پانی لینے گئے ہیں، اتنے میں حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ اپنا مشکیزہ لئے پہنچ گئے، انہوں نے جلدی سے مشکیزہ رکھا اور ”میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں!“ کہتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ گئے، پھر ان حضرات کو لے کر اپنے باغ کی طرف چلے، وہاں ان کے لئے ایک کپڑا بچھادیا، پھر ایک کھجور سے خوشہ کاٹ لائے اور ان حضرات کی خدمت میں پیش کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اس کی پختہ کھجوریں کیوں نہ توڑ لیں؟ عرض کیا کہ: میرا جی چاہا کہ آپ حضرات (اپنے اپنے ذوق کے مطابق) پختہ و نیم پختہ کا انتخاب خود فرمائیں، بہرحال ان حضرات نے کھجوریں کھائیں اور پانی نوش فرمایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! یہ من جملہ ان نعمتوں کے ہے، جن کے بارے میں قیامت کے دن تم سے سوال کیا جائے گا: ٹھنڈا سایہ، تازہ عمدہ کھجور اور ٹھنڈا پانی، پھر حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ ان کے لئے کھانا تیار کرانے چلے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دودھ والی بکری نہ کاٹ لینا!“ انہوں نے ایک بزغالہ ذبح (کرکے کھانا تیار) کیا، ان حضرات نے کھانا تناول فرمایا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا تمہارے پاس کوئی خدمت گار ہے؟ عرض کیا: نہیں! فرمایا: جب ہمارے پاس قیدی آئیں تو ہمارے پاس آئیے (تمہیں خادم دیں گے)۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف دو راس غلام آئے، تیسرا نہیں تھا، تو ابوالہیثم رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں میں سے اپنی پسند کا ایک لے لو! عرض کیا: اے اللہ کے نبی! آپ ہی میرے لئے پسند فرمادیجئے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے، (پس اس کے لئے روا نہیں کہ مشورہ لینے والے کی مصلحت کو نظر انداز کرے اور اسے غلط مشورہ دے کر خیانت کا مرتکب ہو، پھر ان دونوں غلاموں میں سے ایک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا) یہ لے لو، کیونکہ میں نے اسے نماز پڑھتے دیکھا ہے، اور اس کی ساتھ بھلائی کی وصیت (کرتا ہوں، اس کو) قبول کرو۔" حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ اس غلام کو لے کر اپنی بیوی کے پاس پہنچے اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے مطلع کیا، تو بیوی بولیں: تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل نہیں کرسکو گے (کیونکہ کبھی بر بنائے بشریت اس کے معاملے میں اونچ نیچ ہوسکتی ہے) سوائے اس صورت کے کہ تم اس کو آزاد کردو۔ حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ آزاد ہے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (کو اس کی خبر ہوئی تو آپ) نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جتنے نبی بھیجے یا خلیفے مقرر کئے، ان کے لئے دو مشیر مقرر فرمائے، ایک مشیر اس کو بھلائی کا حکم دیتا اور برائی سے منع کرتا ہے، اور دوسرا مشیر (غلط مشورے دے کر) فساد انگیزی میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا، اور جو شخص برے مشیر سے بچالیا گیا وہ بچ گیا۔"

(ترمذی، ج:۲،ص:۵۹، ۶۰)

یہ حدیث بہت سے اہم فوائد پر مشتمل ہے:

اول:...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تنگیٔ معیشت اور بعض اوقات ان کا بھوک سے بے تاب ہوجانا۔

دوم:...... حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی منقبت و فضیلت، حدیث کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ان کی بے وقت حاضری بھی شاید بھوک کی وجہ سے ہوئی تھی، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے کا سبب دریافت فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت وملاقات، آپ کے دیدار پُر انوار سے لطف اندوز ہونے اور سلام عرض کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں، کیونکہ یہی چیز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بھوک کا علاج اور ان کے درد کا درماں تھی، اس لئے انہوں نے اصل سبب کا تذکرہ نہیں فرمایا، بلکہ جس تدبیر سے یہ سبب زائل ہوسکتا تھا، اس کا ذکر فرمایا، اس سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق، بارگاہ نبوی میں ان کا ادب، حسن تعبیر اور سلیقۂ عرض داشت میں ان کا کمال واضح ہوتا ہے۔

جو مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند فرمودہ شکل وشباہت، وضع قطع، لباس و پوشاک، طرزِ معاشرت وغیرہ کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کو پسند کرتے ہیں، وہ بہت بڑی سعادت سے محروم ہیں

سوم:...... اس حدیث سے حضرت ابوالہیثم صحابی رضی اللہ عنہ کے متعدد فضائل و مناقب بھی معلوم ہوئے، مثلاً: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا از خود ان کے گھر کو تشریف بری کا شرف بخشنا، جو ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال تعلق اور نہایت بے تکلفی کی دلیل ہے، پھر ان کا فرط مسرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹنا، "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں" کے الفاظ سے آپ کا استقبال کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معزز رفقاء کے اعزاز و اکرام کا مظاہرہ کرنا۔

چہارم:...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ شانہ کی نعمتوں کی کتنی قدر فرماتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نعمتوں کی، جن کی طرف عام لوگوں کو التفات بھی نہیں ہوتا، کیسی عظمت ظاہر فرمائی کہ یہی وہ نعمتیں ہیں، جن کے بارے میں قیامت کے دن بندوں سے سوال ہوگا۔ حق تعالیٰ شانہ کی نعمتوں کی قدر کرنا اور ان پر شکر بجالانا معرفتِ الٰہی کا ایک عظیم الشان شعبہ ہے، جب بندہ اس پر نظر کرے کہ اس کریم آقا نے اپنے انعامات کی کیسی بارش کر رکھی ہے، حالانکہ میں کسی ادنیٰ سے ادنیٰ نعمت کا بھی مستحق نہیں تھا، اور نہ کسی چھوٹی سے چھوٹی نعمت کا حق ادا کرسکتا ہوں، تو اس کے دل میں تشکر و امتنان کے جذبات پیدا ہوں گے اور وہ دل کی گہرائیوں سے مالک کا شکر ادا کرے گا۔

پنجم:...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ سے یہ دریافت فرمانا کہ: کیا تمہارے پاس کوئی خادم نہیں ہے؟ اور نفی میں جواب ملنے پر انہیں خادم دینے کا وعدہ فرمانا، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک محبوبانہ ادا تھی کہ کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسن سلوک کرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بدلے میں اس پر انعام و احسان ضرور فرماتے تھے،

اور اگر کوئی ہدیہ پیش کرے تو جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ضرور ہدیہ عنایت فرماتے تھے، اس سے عارفین نے یہ سمجھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں جو امتی صلوٰۃ وسلام کا ہدیہ پیش کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان کے اس ہدیے کا بدلہ عنایت فرمایا جاتا ہے، اور جس شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی سے سلام کا ہدیہ بھیجا جائے اس کی خوش بختی لائق رشک ہے اور قیامت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے لوگوں کے لئے شفاعت فرمانا بھی اس کا ایک مظہر ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص مجھ پر درود شریف پڑھے، میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا۔

”اللھم صل علی سیدنا ومولانا محمد ن النبی الامی وآلہ وسلم تسلیما۔“

ششم:…… آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے جواب میں کہ: ”ان دو غلاموں میں اپنی پسند کا ایک منتخب کرلو!“ حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کا یہ عرض کرنا کہ: ”آپ ہی پسند فرمادیں“ ان کے عشق ومحبت اور کمالِ ایمان کی دلیل ہے۔ مومن کامل کی نظر میں وہی چیز پسندیدہ ہے، جس کو اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا ہو، اس کی پسند وناپسند اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند وناپسند میں فنا ہوجائے۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی یہی شان تھی! جو مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند فرمودہ شکل وشباہت، وضع قطع، لباس و پوشاک، طرزِ معاشرت وغیرہ کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کو پسند کرتے ہیں، یہ بہت بڑی سعادت سے محروم ہیں، اگر ہم کمالِ ایمان اور محبت نبوی سے سرشار ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند فرمودہ چیزیں ہمیں محبوب ومرغوب نہ ہوتیں۔

ہفتم:…… آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی کہ: ”جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے“ شریعت کے قواعد میں سے ایک اہم ترین قاعدہ ہے، جس پر حسنِ معاشرت اور اخلاقِ عالیہ کا مدار ہے، جس شخص سے مشورہ لیا جائے، اس کو معاملے کے تمام پہلوؤں پر غور کرکے مشورہ لینے والے کی خیرخواہی اور مصلحت کی پوری پوری رعایت رکھتے ہوئے مخلصانہ مشورہ دینا چاہئے، یہ مشورہ اس کے پاس امانت ہے، اور اسے غلط مشورہ دے کر اس امانت میں خیانت نہیں کرنی چاہئے۔

ہشتم:…… آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام کے بارے میں یہ ارشاد فرمانا کہ: ”اس کو لے لو، کیونکہ میں نے اس کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے“ اور پھر اس کے بارے میں بھلائی کی وصیت فرمانا، اس سے واضح ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے والے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں کتنی قدر تھی! اور یہ کہ جو شخص نماز کی دولت سے محروم ہو، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ انتخاب سے گرا ہوا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز پڑھنے والوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور بھلائی کرنے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے وصیت اور تاکید ہے۔

نہم:…… اس حدیث سے حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کی اہلیہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ومنقبت بھی معلوم ہوئی کہ جب ان کو یہ علم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید فرمائی ہے تو انہوں نے اپنے شوہر کو مشورہ دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تعمیل اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ اس غلام کو آزاد کردینا چاہئے، بظاہر یہ بہت بڑی قربانی تھی اور عورتیں عموماً مال کی حریص ہوا کرتی ہیں، لیکن تعمیل ارشادِ نبویؐ کے لئے ان محترمہ کا یہ مشورہ دینا ان کے کمالِ عشق وذہانت، دنیا سے بے رغبتی اور اللہ ورسول کی رضا میں فنائیت کی دلیل ہے۔

پھر حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کا اپنی اہلیہ کے مشورے کو قبول کرتے ہوئے کھڑے کھڑے اس غلام کو آزاد کردینا، جہاں ان کی فضیلت و منقبت ہے، وہاں یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ اگر نیک مشورہ کوئی چھوٹا آدمی بھی دے، اس کو قبول کرلینا بھی عین سعادت اور کمالِ فراست ہے۔

دہم:…… آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کے مشورے کی تحسین کرتے ہوئے فرمایا کہ: ہر نبی اور ہر خلیفہ کے ساتھ ایک نیکی کا مشیر ہوتا ہے (یعنی فرشتہ) اور ایک بُرائی کا مشیر ہوتا ہے (یعنی شیطان) اور حق تعالیٰ شانہ جس کی حفاظت فرماتے ہیں وہ بُرائی کے مشیر سے بچالیا جاتا ہے اور اسے نیکی کے مشیر کے مشورے پر عمل کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ: ہر شخص کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر ہے، جو اس کو بھلائی کا مشورہ دیتا ہے اور ایک شیطان مقرر ہے جو اس کو بُرائی کا مشورہ دیتا ہے، اس لئے مومن کو اس بارے میں بطورِ خاص محتاط رہنا چاہئے کہ وہ غلط مشورہ دینے والے کے مشورے پر عمل نہ کرے، بلکہ بھلائی کے مشیر کے مشورے پر عمل کرے۔ وباللہ التوفیق!

☆☆……………☆☆

دعوت وتبلیغ کے اصول اور ہماری ذمہ داری

علامہ سید سلیمان ندویؒ

اسلام ایک پیغام الٰہی ہے اور اس پیغام کی حامل امت مسلمہ ہے، یہ وہ حقیقت ہے جس کی طرف نہ صرف عام مسلمانوں، بلکہ مسلمان علماء ومشائخ تک نے اس سے اعراض اور تغافل برتا اور اس حقیقت کو بالکل بھلا دیا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمان اپنے کو انہیں معنوں میں قوم سمجھنے لگے جن معنی میں دنیا کی قومیں اپنے کو قوم سمجھتی ہیں، ان میں سے کوئی تو وطنیت کے سہارے اپنی قومیت کی دیوار کھڑی کرتا ہے، کسی نے نسل کو قومیت کا معیار سمجھا اور ان میں سے جو سمجھ رکھتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان قوم قومیت اور نسل سے نہیں، بلکہ مذہب کی بنیاد پر قوم ہے حالانکہ حقیقت حال اس سے بھی آگے ہے اور وہ یہ کہ مسلمان وہ جماعت ہے، جو اللہ کی طرف سے ایک خاص پیغام لے کر دنیا میں آئی ہے، اس پیغام کو قائم رکھنا اور اس کو پھیلانا اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینا اس کی زندگی کا تنہا فریضہ ہے، اس پیغام کے ماننے والوں کی ایک برادری ہے، جس کے حقوق ہیں، یہی ان کی قومیت ہے۔

اس حقیقت کے ظاہر ہونے کے بعد مسلمان قوم کا سب سے بڑا فرض اس پیغام الٰہی کی معرفت اس کی بجاآوری، اس کی تعلیم، اس کی دعوت اور اس کی اشاعت اور اس کے حلقہ بگوشوں کی ایک پوری برادری کا قیام اور اس کے حقوق کو بجالانا ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں نے ایک ہی صدی کے اندر اندر اپنے اس فرض کو بھلا دیا، ہمارے سلاطین اور بادشاہوں نے ملک گیری اور کشور کشائی پر قناعت کی، اور عیش وآرام اور جاگیر وخراج کی دولت کو اپنی زندگی کا ماحصل قرار دیا، علماء نے درس و تدریس اور فتنوں سے عزلت نشینی کی زندگی پر کفایت کی، درویشوں اور صوفیوں نے تسبیح وسجادہ کی آرائش پرستی اور زندگی کے کاروبار سے اپنے کو الگ کرلیا۔

نتیجہ یہ ہے کہ امت رہبری اور رہنمائی کے بغیر اپنے حال سے غافل ہوکر رہ گئی، اور امت مسلمہ کی زندگی کی غرض وغایت اس کے سارے طبقوں کی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

قرآن پاک اور احادیث صحیحہ کے نصوص سے یہ ثابت ہے کہ امت مسلمہ اپنے نبی کی اتباع میں امم عالم کی طرف مبعوث ہے، اس امت کو باہر ہی اس لئے لایا گیا ہے کہ وہ دعوت وتبلیغ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کو انجام دے، جیسا کہ یہ آیت پاک کھلے لفظوں میں ظاہر کررہی ہے:

”تم اے مسلمانو! بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی، اچھے کاموں کو بتاتے ہو۔“ (آل عمران)

اس آیت نے بتایا کہ امت مسلمہ دنیا کی دوسری امتوں کے لئے باہر لائی گئی ہے، اس کی پیدائش کی غرض بھی یہی ہے کہ وہ امم عالم کی خدمت کرے، اور ان میں خیر کی دعوت اور معروف کی اشاعت اور منکر کی ممانعت کرے، ایسی حالت میں اگر یہ امت اپنے اس فرض سے غفلت برتے تو وہ اپنی زندگی کے مقصد کو پورا کرنے سے عاری ہے، اس آیت سے چند آیتیں پہلے یہ تصریح ہے کہ ہر زمانے میں امت مسلمہ پر یہ فرض کفایہ ہے کہ اس کی کچھ جماعت اسی کام میں لگی رہے، اور اگر اس سے مسلمانوں نے پہلوتہی کی تو ساری امت مسلمہ گنہگار ٹھہرے گی اور اگر کچھ جماعتوں نے اس فرض کو انجام دیا تو یہ فرض پوری امت کی طرف سے ادا ہوجائے گا۔ ارشاد الٰہی ہے:

”اور چاہئے کہ تم میں ایک جماعت ایسی رہے جو لوگوں کو نیکی کی دعوت کرتی رہے اور بری باتوں سے روکتی رہے اور یہی

وہ لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔“ (آل عمران)

پوری امت کی صلاح وفلاح اور دوا و معالجہ کے لئے یہی جماعت ذمہ دار ٹھہرائی گئی، اس کے تین فرض قرار دیئے گئے، پوری امت بلکہ ساری انسانیت کو خیر کی دعوت، معروف کی اشاعت اور منکر کی ممانعت، جب تک اور جس نسبت سے امت کے اندر اس جماعت کے افراد سے یہ فریضہ پورا ہوتا رہا اور حدیث خیرالقرون کے مطابق جماعت صحابہ کرامؓ جماعت تابعین، جماعت تبع تابعین کے بعد جماعت گھٹ کر افراد رہ گئے۔

اس راہ میں سب سے بڑی ضلالت دولت و سلطنت کے منتہائے مقصود سمجھنے سے آئی، اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خیال کہ:

”مجھے تمہارے بارے میں فقر وفاقہ کا ڈر نہیں بلکہ خوف یہ ہے کہ تم پر دنیا کی فراوانی ہو۔“

بالکل درست نکلا، دنیا نے جب اپنی وسعتوں، عیش پرستیوں اور دولت مندیوں کے ساتھ مسلمانوں پر سایہ ڈالا، تو وہ صرف کشور ستانی، ملک گیری اور باج و خراج کو امت مسلمہ کی زندگی کا حاصل سمجھے اور دولت اسلام کے بجائے مسلمانوں کی سلطنت پر قانع ہو گئے۔ یعنی ایسی سلطنت کو اپنا مقصد سمجھ بیٹھے، جس کا حاکم کوئی مسلمان نام کا ہو، حالانکہ مقصد یہ تھا کہ اسلام کی شریعت اور اسلام کی سیاستِ عادلہ کی حکومت قائم کی جائے اور یہ سلطنت وحکومت اس نظام وعدل کے قیام کا سب سے بڑا قوی ذریعہ ہو، جیسا کہ اس آیت پاک کا منشاء ہے:

”وہ لوگ جن کو ہم زمین میں طاقت بخشیں، تو نماز کھڑی کریں اور زکوٰۃ دیں اور اچھی بات کا حکم کریں اور بری بات سے روکیں، اور اللہ ہی کے لئے ہے کاموں کا انجام۔“ (الحج)

امت مسلمہ فرائض نبوت میں سے دعوت خیر اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں نبی کی جانشین ہے، اس لئے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو کار نبوت کے جو تین فرض عطا ہوئے ہیں: تلاوت احکام، تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ، یہ تینوں فرض امت مسلمہ پر بھی بطور کفایہ عائد ہیں، چنانچہ قرناً بعد قرن اکابر ائمہ امت نے ان تینوں فریضوں کی ادائیگی میں پوری توجہ اور کوشش مبذول فرمائی، اور انہیں کے مجاہدات کا نور ہے جس سے کاشانۂ اسلام میں روشنی

نرمی، سہولت، آہستگی، دانشمندی اور ایسے اسلوب سے گفتگو کی جائے کہ جس سے مخاطب پر داعی کے خلوص و محبت اور شفقت کا اثر پڑے اور بات مخاطب کے دل میں اتر جائے

ہے، نبوت کے یہ تینوں فرض اس آیت میں یکجا ہیں:

”ایک رسول انہیں میں سے جو اللہ کی آیات کو پڑھ کر سناتا اور ان کو پاک و صاف کرتا اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔“ (الجمعہ)

رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان تینوں کو بحسن وخوبی انجام دیا، اور لوگوں کو احکام الٰہی اور آیات ربانی پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب الٰہی اور حکمت ربانی کی باتیں سکھائیں اور اسی پر اکتفا نہ کی، بلکہ اپنی صحبت، فیض تاثیر اور طریق تدبیر سے پاک و صاف بھی کیا، نفوس کا تزکیہ فرمایا، قلوب کے امراض کا علاج کیا اور برائیوں اور بدیوں سے زنگ اور میل کو دور کر کے اخلاق انسانی کو نکھارا اور سنوارا، یہ دونوں ظاہری و باطنی فرض یکساں اہمیت سے ادا ہوتے رہے، چنانچہ صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد تابعین اور پھر تبع تابعین کے تین قرنوں تک یہ دونوں ظاہری و باطنی کام اسی طرح جاری رہے، جو استاد تھے وہ شیخ تھے اور جو شیخ تھے وہ استاد تھے، وہ جو مسند درس کو جلوہ دیتے تھے، وہ خلوت کے شب زندہ دار اور اپنے ہم نشینوں کے تزکیہ وتصفیہ کے بھی ذمہ دار تھے، ان تینوں طبقوں میں استاد اور شیخ کی تفریق نظر نہیں آتی۔

اس کے بعد وہ دور آنا شروع ہوا جس میں مسند ظاہر کے درس گو باطن کے کورے اور باطن کے روشن دل ظاہر سے عاری ہونے لگے اور عہد بہ عہد ظاہر و باطن کی یہ خلیج بڑھتی ہی چلی گئی، یہاں تک کہ علوم ظاہر کے لئے مدارس کی چار دیواری اور تعلیم وتزکیہ باطن کے لئے خانقاہوں اور باطنوں کی تعمیر عمل میں آئی اور وہ مسجد نبویؐ جس میں یہ دونوں جلوے یکجا تھے، اس کی تجلیات مدرسوں اور خانقاہوں کے دو حصوں میں تقسیم ہو گئیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدارس سے علماء دین کی جگہ علماء دنیا نکلنے لگے اور باطن کے مدعی علم شریعت کے اسرار و کمالات سے جاہل ہو کر رہ گئے۔

تاہم اس دور کے بعد بھی ایسی مستثنٰی ہستیاں پیدا ہوتی رہیں جن میں نور نبوت کے یہ دونوں رنگ بھرے تھے، اور غور سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ اسلام میں جن بزرگوں سے فیوض پہنچے اور پھیلے، وہ وہی تھے جو ان دونوں کے جامع تھے۔ امام غزالیؒ جن سے علوم معقول ومنقول نے جلوہ پایا، علم حقیقت نے بھی انہیں کے ذریعہ ظہور پایا، حضرت شیخ سہروردیؒ ایک طرف شیخ طریقت ہیں تو دوسری طرف مدرسہ نظامیہ کے مدرس، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ امام وقت اور شیخ طریقت دونوں ہیں، یہاں تک کہ وہ لوگ جن کو علماء ظاہر سمجھا جاتا ہے، جیسے حضرات محدثین امام بخاریؒ،

ابن حنبلؒ، سفیان ثوریؒ وغیرہ، بھی اس جامعیت سے سرفراز تھے، متوسطین میں علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم رحمہم اللہ تعالیٰ کو ناواقف باطن سے خالی سمجھتے ہیں، حالانکہ ان کے احوال و سوانح ان برکات باطنی سے لبریز ہیں، ابن قیمؒ کی ''مسالک السالکین'' وغیرہ کتابیں پڑھئے تو اندازہ ہوگا کہ وہ آرائش ظاہر اور جمال باطن دونوں سے آراستہ تھے۔

ہندوستان میں جن بزرگوں کے دم قدم سے اسلام کی روشنی پھیلی وہ حقیقت میں وہی تھے جن کی ذات میں مدرسہ اور خانقاہ کی جامعیت تھی کہ وہ اسوۂ نبوت کے قریب تر تھے، اس لئے ان کا فیض بعید سے بعید تر حصہ تک پھیلتا چلا گیا، آسمان دلی کے مہر و ماہ اور تارے شاہ عبدالرحیمؒ سے لے کر شاہ اسماعیلؒ تک کو آپ ایک ایک کر کے دیکھیں تو ظاہر و باطن کے علوم والوں کی یکجائی کا نظارہ آپ کو ہوگا، اور اس سے ان کے علمی و روحانی برکات کی وسعت کی حقیقت آشکارا ہو جائے گی، وہ علوم کی تدریس میں ''کتاب وحکمت'' کی تعلیم کا جلوہ دکھاتے تھے اور حجروں میں بیٹھ کر ''تزکیہ نفوس'' کی جلوہ ریزی فرماتے تھے۔

پھر ان کے بعد ان کے فیوض و برکات کے جو حامل ہوئے (جن کی نشاندہی چنداں ضروری نہیں کہ ان کی پیشانیوں پر ان کی داستان لکھی ہوئی ہے) ان سے دنیا کو فیض پہنچا اور دین کی اشاعت تبلیغ اور قلوب و نفوس کے تزکیہ و تصفیہ کا جو کام انجام پایا وہ بھی ظاہر و باطن کی اسی جامعیت کے آئینہ دار تھے، اور آئندہ بھی قانون الٰہی کے مطابق دین کا فیض جن سے پھیلے گا وہ وہی ہوں گے جن سے مدرسیت اور خانقاہیت کی دو سوتیں ایک چشمہ بن کر بہیں گی۔

آنکھوں کا نور شب بیداری سے بڑھتا اور زبان کی تاثیر ذکر کی کثرت سے پھیلتی ہے، رات کے راہب ہی اسلام میں دین کے سپاہی ثابت ہوئے ہیں۔ سوانح و تراجم کا سیزدہ صد سالہ دفتر اس دعوے کا شاہد ہے، زبان کی روانی اور قلم کی جولانی دل کی تابانی کے بغیر سراب کی نمود سے زیادہ نہیں خواہ وہ اس وقت کتنا ہی تابناک نظر آتا ہو، مگر وہ مستقل اور مستقبل وجود سے محروم ہے۔

اس کی ایک خاص وجہ ہے اور وہ یہ کہ ہر قوم اور ہر ملت کا ایک مزاج ہوتا ہے، جب تک پیش نظر اصلاح و تجدید کا کام قوم و ملت کے مزاج کے مطابق نہ ہوگا، اس کو کامیابی و سرسبزی حاصل نہ ہوگی۔ اس وقت ملت اسلامیہ کی اصلاح و تجدید کے مدعی مختلف گروہ ہیں، ایک گروہ نے تو اس کی ضرورت سمجھی کہ محمد رسول

مبلغ کے لئے پاکیزگی اور خلق سے بے نیازی، اخلاص وللّٰہیت، بندگانِ الٰہی پر رحمت وشفقت اور خیر خواہی کا جذبہ اس کی تاثیر کا اصل سرچشمہ ہے۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا عہد پرانا ہو چکا، اب ایک نئی ظلی نبوت و رسالت کی ضرورت ہے، چنانچہ اس نے اس کی دعوت دی اور نا کام رہا اور ملت محمدیہ سے ان کا رشتہ کٹ گیا، دوسرے گروہ نے نبوت و رسالت محمدی کو تو قائم رکھا، مگر وحی محمدی کی تعبیر کی اور تغیر و تبدل کی ضرورت سمجھی، احادیث نبویؐ سے انکار کیا، قرآن پاک کی تعبیر کے لئے اپنے عقلی قیاسات اور زمانۂ حال کی تاثیرات کو معیار قرار دیا، یہ گویا ایک نئے قرآن کا طالب ہے، اس جماعت کا رشتہ بھی ملت محمدیہ سے کمزور پڑ گیا اور اب ان کا ہر مجتہد ''حسبنا کتاب اللہ'' کہہ کر کتاب اللہ کی نئی تعبیر کرتا اور نئی نماز، نیا روزہ، نیا طریق حج اور نئی شریعت نکال رہا ہے، تیسری جماعت کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرتی ہے، مگر ہر آیت و حدیث کو اپنی عقل کے معیار پر جانچنا چاہتی ہے، اور اسی لئے معجزات کی منکر، جنت و دوزخ کی حقیقت سے منحرف، ربا کے جواز کے قائل اور بہت ان مسائل کو جن کا زندگی سے تعلق ہے، دین و شریعت کے بجائے ''عقل'' اور اصول فطرت سے طے کرنا چاہتی ہے نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا شمار دین محمدی میں تاویلیں گھڑنے والوں میں ہوا، مومنین و قانتین میں نہیں۔

ایک نیا گروہ ہے جو نئی نبوت نہیں چاہتا، نیا قرآن نہیں مانگتا، نئی نماز اور نئے روزے کا مبلغ نہیں، لیکن وہ ایک امامت کا خواستگار ہے، جو اسلام کا نیا نظام مرتب کرے، کفر و ایمان و نفاق اور اطاعت امیر کے نئے نقشے ابھرے اور یورپ کی ''ازم'' والی تحریکوں کی طرح مسلمانوں میں ایک نئی تحریک کا آغاز کرے اور اس ''اسلام ازم'' کو ''ازم'' والے عزم و جوش و خروش سے نوجوانوں میں پھیلائے اور مسائل کلامی و فقہی کا فیصلہ ایک نئے مجتہدانہ انداز سے کرے، ممکن ہے کہ یہ گروہ اس موجودہ انقلابی دور میں نوجوانوں کے لئے تسلی وتشفی کا پیغام ثابت ہو اور اقتصادی راہ سے الحاد کا جو سیلاب آرہا ہے، اس کے روکنے کا کام کرے، لیکن اس کا طریق فکر اور طریق کار امت کے جمیع طبقات کے مطابق نہیں۔

حاصل یہ ہے کہ امت محمدیہ کے مزاج کے مطابق یہ ضروری ہے کہ داعی اور دعوت اور طریق دعوت تینوں چیزیں ٹھیک ٹھیک طریق نبوت اور اسوۂ نبوت کے مطابق ہوں، داعی خود بھی قلباً اور قالباً داعی اول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت رکھتا ہو، جس حد تک یہ نسبت قوی ہوگی، دعوت میں تاثیر اور کشش پیدا ہوگی، پھر ضرور ہے کہ دعوت وہی ہو، یعنی خالص اسلام اور ایمان و عمل صالح کی دعوت ہو، پھر

دعوت کا طریق بھی وہی اختیار کیا جائے جو داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اختیار فرمایا تھا، جس حد تک ان تینوں امور میں عہد رسالت و نبوت کے ساتھ قرب و مناسبت جتنی زیادہ ہوگی، اتنی ہی زیادہ دعوت کی قوت میں تاثیر اور دعوت کے دائرہ میں وسعت پیدا ہوگی اور راہ کی ضلالت سے حفاظت اور صراط مستقیم کی طرف رہبری میں اضافہ ہوگا، گزشتہ صدی کے جن داعیان امت کے تجدیدی کارناموں کو امت نے تسلیم کیا ہے، ان کی تاریخ سے بھی ان اصولوں کی سچائی ثابت ہوتی ہے۔

الغرض ضرورت یہ ہے کہ داعی اپنے علم و عمل، فکر و نظر، طریق دعوت اور ذوق و حال میں انبیاء علیہم السلام اور خصوصاً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاص مناسبت رکھتا ہو، صحت ایمان اور ظاہری عمل صالح کے ساتھ اس کے باطنی اعمال بھی منہاج نبوت پر ہوں، محبت الٰہی خشیت الٰہی، اخلاق اللہ تعلق مع اللہ کی کیفیت ہو، اخلاق و عادات و شمائل میں اتباع سنن نبوی کی کیفیت ہو، اللہ کے لئے دوستی، اللہ کے لئے دشمنی، مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی و مہربانی مخلوق پر شفقت اس کی دعوت کا محرک ہو اور انبیاء علیہم السلام کے بار بار دہرائے ہوئے اصول کے مطابق سوائے اجر الٰہی کی طلب کے کوئی مقصود نہ ہو اور اس کی طلب کی ایسی دھن ہو کہ جاہ و منصب، مال و دولت، عزت و شہرت اور نام و نمود اور ذاتی آرام و آسائش کا کوئی خیال راہ میں مانع نہ ہو، اس کا بیٹھنا اٹھنا، بولنا چالنا غرض اس کی زندگی کی ہر جنبش و حرکت اسی سمت میں سمٹ کر رہ جائے۔

ہندوستان کے آخر عہد میں اللہ تعالیٰ نے خاندان ولی اللّٰہی کو اس ملک کی قطبیت مرحمت فرمائی تھی، چنانچہ ہندوستان میں آل تیمور کی غلط سیاست سے دین اسلام کو نقصان پہنچے ان کے تدارک اور اصلاح کی خدمت اس خانوادہ کے علماء اور ان کے متسبین کے سپرد ہوئی اور اس وقت سے آج تک یہ سلسلہ قائم ہے، اس دعوت کے مورث اول بھی اسی سلسلۃ الذہب سے مربوط ہیں۔

صاحب سوانح کا سلسلہ نسب

داعی حق مولانا محمد الیاسؒ کے پرنانا مولانا مظفر حسینؒ، حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے عزیز شاگرد اور حضرت شاہ محمد یعقوب دہلویؒ کے مجاز تھے، اور مولانا مظفر حسینؒ کے حقیقی چچا مفتی الٰہی بخشؒ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے ممتاز شاگرد اور مرید با اخلاص تھے، اور پھر اپنے شیخ کے خلیفہ حضرت سید احمد شہید بریلویؒ سے بیعت ہوئے، یہ دونوں بزرگوار اپنے وقت کے نامور صاحب تدریس و فتویٰ اور صاحب زہد و تقویٰ تھے، جن کے برکات اس خاندان کے اکثر افراد میں پھیلے جس کی تفصیل اصل کتاب سے معلوم ہوگی۔

مولانا محمد الیاسؒ کے والد اور دو بھائی صاحب زہد و ورع اور صاحب ارشاد تھے، مولانا کے والد پہلے شخص ہیں جن سے اہل میوات کو خلوص اور محبت پیدا ہوا اور پھر ان کی وفات پر ان کے بڑے بھائی مولانا محمد فقر و فاقہ اور زہد و توکل کے ساتھ اس مسند ارشاد پر بیٹھے اور مولانا محمد الیاسؒ اس سلسلہ کے تیسرے بزرگ تھے۔

اس عہد میں تبلیغی ناکامی کے وجوہ

۱۹۲۱ء کی بات ہے کہ ہندوستان میں آریوں کی کوشش سے جاہل نومسلم دیہاتی علاقوں میں ارتداد کی آگ پھیلی، اس آگ کے بجھانے کے لئے ہر چار طرف مسلمان کھڑے ہوئے، بہت سی تبلیغی انجمنیں بنیں، ہزاروں روپے کے چندے ہوئے، مبلغین نوکر رکھے گئے، جگہ جگہ پھیلائے گئے، مناظرین اسلام نے بحث و مناظرہ کے میدان گرم کئے اور کئی سال تک بڑے دھوم دھام سے یہ کام ہوتا رہا، آخر آہستہ آہستہ جوش و خروش کم ہوتا گیا، ایک ایک انجمن ٹوٹ گئی، چندوں کی کمی سے مبلغین برطرف ہوتے گئے، مناظرہ کے بلاوے بھی گھٹنے لگے اور بالآخر سمندر میں بالکل سکون ہوگیا۔

اس ناکامی کے وجوہ کیا تھے؟ یہ سارا تماشا کام کرنے والوں کی دل لگن کا نتیجہ نہ تھا اور نہ مبلغین مناظرین و داعیان کے دلوں میں دین کی دھن تھی، بلکہ جو کچھ تھا وہ داد و دہش کا مبادلہ اور نفع عاجل کی حرص و طمع تھی اور دینی دعوت اور باطنی ارشاد و تبلیغ بازار کی قیمت سے خریدی نہیں جاتی۔

انبیاء کے اصول دعوت

۱:.....انبیاء علیہم السلام کے اصول دعوت کی بنیادی چیز یہی ہے کہ وہ اپنے کام کی اجرت اور مزدوری کسی مخلوق سے نہیں چاہتے، ان کا متحدہ و متفقہ فیصلہ ہے، انتہا یہ ہے کہ وہ اپنے کام کی کسی بندے سے تحسین و آفریں بھی نہیں چاہتے ان کی دعوت کی کشش اور تاثیر دو قوتوں کا نتیجہ ہوتی ہے، مخلوق کے ہر اجر سے استغناء و بے نیازی اور ان کی ذاتی پاکیزہ زندگی۔ ''سورۂ یٰسین'' میں چند داعیان حق کا ذکر ہے جس میں ایک کی تکذیب کے بعد دوسرے رسول کی آمد اور اس کی تائید کا بیان ہے، بالآخر قصائے شہر سے ایک سعید ہستی آتی ہے اور اپنے ہم قوموں سے خطاب کرکے کہتی ہے:

> ''اے میرے لوگو! ان پیغمبروں کی پیروی کرو ان کی پیروی کرو جو تم سے مزدوری نہیں چاہتے، جو راہ ہدایت پائے ہوئے ہیں۔''

معلوم ہوا کہ مبلغ کے لئے پاکیزگی اور خلق سے بے نیازی اور اخلاص وللّٰہیت اس کی تاثیر کا اصل سرچشمہ ہے۔

۲:.....ان کی تبلیغ ودعوت کا دوسرا محرک بندگان الٰہی پر رحمت وشفقت اور خیر خواہی کا جذبہ ہے بندوں کی اس تباہ حالت کو دیکھ کر ان کا دل جلتا ہے اور خیر خواہی سے ان کا دل چاہتا ہے کہ کسی طرح ان کی حالت سدھر جائے۔ ٹھیک اس طرح جس طرح باپ بیٹے کی اصلاح اور رشد و ہدایت کا طالب محض پدرانہ شفقت اور خیر خواہی کی بناء پر ہوتا ہے، اسی طرح مبلغ اور داعی کے اندر بھی یہی جذبہ ہو، دینی خیر خواہی اور مسلمانوں پر رحمت و شفقت کی تاثیر اس کے دل کو بے چین رکھے، حضرت ھود علیہ السلام اپنی امت کو کہتے ہیں:

"اے میرے لوگو! میں بیوقوف نہیں لیکن میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا ہوں، تم کو اپنے رب کا پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں معتبر۔" (اعراف)

حضرت صالح علیہ السلام اپنی امت کو خطاب کر کے فرماتے ہیں:

"اے میرے لوگو! میں نے تم کو اپنے پروردگار کا پیغام پہنچادیا اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم اپنے خیر خواہوں کو نہیں چاہتے۔" (اعراف)

حضرت نوح علیہ السلام پر ان کی قوم گمراہی کی تہمت لگاتی ہے، آپ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اے میرے لوگو! میں بہکا نہیں ہوں لیکن پروردگار عالم کا بھیجا ہوا ہوں، تمہیں اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہارا بھلا چاہتا ہوں۔" (اعراف)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغی احوال و کیفیات کا ذکر قرآن کریم میں بار بار ہے، اور ہر بار یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو امت کا کتنا غم تھا، ایسا غم کہ جس کے بوجھ سے پشت مبارک ٹوٹی جارہی تھی:

"کیا ہم نے تمہارے سینے کو نہیں کھول دیا اور تم سے اس بوجھ کو نہیں اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ کو توڑ دیا تھا۔"

امت کے غم سے یہ حال تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا جینا بھی دوبھر معلوم ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ نے تسلی دی اور فرمایا:

"کیا اس بات پر آپ اپنی جان گھونٹ ڈالیں گے کہ یہ ایمان نہیں لاتے۔" (الشعراء)

یہی مفہوم سورہ کہف کی ایک آیت میں بھی ہے:

"تو کیا ان کے پیچھے اگر وہ ایمان نہ لائیں اپنی جان افسوس کر کے گھونٹ ڈالیں گے۔" (کہف)

اسی محبت ورحمت کا اقتضاء تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر مسلمانوں کی ہر تکلیف شاق گزرتی تھی اور چاہتے تھے کہ ہر بھلائی اور خیر کا دروازہ ان پر کھل جائے ارشاد ہوا:

"تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آیا جس پر تمہارا تکلیف میں پڑنا شاق ہوتا ہے تمہاری بھلائی کا حریص ہے اور ایمان والوں پر مہربان اور رحیم ہے۔" (التوبہ)

۳:..... دعوت وتبلیغ کا تیسرا اصول یہ ہے کہ نرمی، سہولت، آہستگی، دانشمندی اور ایسے اسلوب سے گفتگو کی جائے کہ جس سے مخاطب پر داعی کے خلوص ومحبت اور شفقت کا اثر پڑے اور بات مخاطب کے دل میں اتر جائے، فرعون جیسے خدائی کے مدعی کافر کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی بھیجے جاتے ہیں تو ان سے کہا جاتا ہے:

"تم دونوں (حضرت موسیٰ و ہارون) فرعون سے نرم گفتگو کرنا۔" (طٰہٰ)

منافقین نے اسلام کو نقصان پہنچانے چاہے اور جس طرح اسلام کی دعوت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ناکام کرنا چاہا، وہ بالکل ظاہر ہے، بایں ہمہ آپ کو یہی حکم دیا جاتا ہے:

"تو آپ ان سے درگزر کیجئے اور ان سے ان کے معاملہ میں ایسی بات کہئے جو ان کے دل میں اتر جائے۔" (النساء)

اس سے اندازہ ہوگا کہ جب اس نرمی اور سہولت اور دل میں گھر کر لینے والی بات کا طریق منافقوں سے برتنے کا حکم ہوتا ہے تو عام نادان مسلمانوں کو بتانے اور سمجھانے کا کیا طریقہ ہونا چاہئے؟ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دعوت کے اس اصول کو آیت ذیل میں تفصیل سے فرمایا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

"آپ اپنے پروردگار کی طرف لوگوں کو دانشمندی اور اچھی نصیحت کے ذریعہ سے دعوت دیں اور بحث و مباحثہ کریں تو وہ بھی خوبی سے۔" (نحل)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یمن کی سمت دو صحابیوں کو اسلام کا داعی بنا کر بھیجا تو ان کو چلتے وقت یہ نصیحت فرمائی:

"تم لوگوں کو آسانی کی راہ بتانا، ان کو دقت میں نہ ڈالنا انہیں خوشخبری سنانا اور نفرت نہ دلانا۔" (بخاری)

دیکھنے میں تو یہ ارشاد نبویؐ دو دو لفظ کے دو فقرے ہیں مگر ان میں طریق تبلیغ کا ایک دفتر بند ہے، داعی اور مبلغ کو چاہئے جس جماعت کو دعوت دے، اس میں آسان سے آسان طریقے سے دین کو پیش کرے اور شروع ہی میں سختی نہ کرے، ان کو خوشخبری اور اعمال کی بشارت اور رحمت و مغفرت الٰہی کی

وسعت کا تذکرہ کرے، ان کو دین کا حوصلہ دلائے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ عقائد اور فرائض میں مداہنت کی جائے، یہ تو کسی حال میں جائز نہیں، بلکہ یہ مقصد ہے کہ طریق کار میں سہولت بھی اور نرمی بھی برتی جائے، فرائض کے علاوہ دوسرے اعمال میں جو فرض کفایہ یا مستحبات ہوں یا جن کے سبب سے دین میں فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو، ان میں زیادہ سخت گیری نہ کی جائے یا جن امور میں فقہاء، و مجتہدین نے مختلف راہیں اختیار کی ہیں، ان میں سے کسی ایک ہی راہ کے قبول میں شدت نہ کی جائے یا مسائل کے بیان میں جس حد تک اللہ تعالیٰ نے وسعت پیدا کر رکھی ہے، اس عزم و تقویٰ کے لئے تنگی نہ کی جائے۔

ان امور کی مثالیں سیرت و سنن نبویؐ میں بکثرت ملتی ہیں، چنانچہ عقائد و فرائض میں مداہنت کرنے کی ممانعت قرآن پاک کی کئی آیتوں میں ہے، کفار اسلام کے عقائد میں کچھ نرمی چاہتے ہیں۔

”کفار چاہتے ہیں کہ آپ کچھ نرمی کریں، تو وہ بھی نرمی کریں۔“ (قلم)

مگر اس کی اجازت نہیں دی گئی۔

۴:.....اس اصول کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ دعوت و تبلیغ اسلام میں الاہم فالاہم کی ترتیب مدنظر رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ شروع فرمائی تو سب سے پہلا زور صرف توحید اور رسالت پر صرف فرمایا، قریش پوچھتے ہیں کہ آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ فرمایا فقط ایک کلمہ (بات) اگر تم اس کو مان لوگے تو سارا عرب و عجم تمہارا زیر فرمان ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور رسول کی رسالت حقیقت میں وہ تخم ہے جس کے اندر سے سارے احکام کا برگ و بار نکلتا ہے، سب سے پہلے اسی کی تخم ریزی چاہئے اس کے بعد احکام کا دور آتا ہے۔

قرآن پاک کا طریق نزول خود اس طریق دعوت کی صحیح مثال ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ قرآن پاک میں پہلے دلوں کو نرم کرنے والی آیتیں نازل ہوئیں جن میں جنت دوزخ کا ذکر ہے یعنی جن میں ترغیب و ترہیب ہے، پھر جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تو حلال و حرام کی آیتیں نازل ہوئیں، اور اگر پہلے ہی اترتا کہ شراب مت پیو، تو کون مانتا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک کے نزول میں بھی یہ تبلیغی ترتیب ملحوظ رہی ہے۔

طائف کا وفد جب بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوا تو اس نے اسلام کی یہ شرط پیش کی کہ ان سے نماز معاف کر دی جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دین میں خدا کے سامنے جھکنا نہ ہو وہ کس کام کا، پھر انہوں نے یہ شرط پیش کی کہ ان سے عشر وصول نہ کیا جائے اور نہ مجاہدین کی فوج میں ان کی بھرتی کی جائے۔ آپؐ نے یہ دونوں شرطیں قبول کر لیں اور ارشاد فرمایا کہ: جب یہ مسلمان ہو جائیں گے تو عشر بھی دیں گے اور جہاد میں بھی شریک ہوں گے، محدثین لکھتے ہیں کہ نماز چونکہ فوراً واجب ہوتی ہے..... اس لئے اس میں نرمی نہیں برتی گئی اور جہاد کی شرکت چونکہ فرض کفایہ ہے اور کسی وقت خاص پر فرض ہوتی ہے اور زکوٰۃ اور عشر کے وجوب کے لئے چونکہ ایک سال کی مدت کی وسعت تھی اور بعد کو بھی وہ ادا ہو سکتی ہے، اس لئے ان دونوں باتوں میں نرمی ظاہر فرمائی، اس سے تبلیغ کے حکیمانہ اصول پر پوری روشنی پڑتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجا تو ارشاد فرمایا:

”تم ایسے لوگوں میں جا رہے ہو جہاں اہل کتاب بھی ہیں جب تم وہاں پہنچو تو ان کو سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، جب وہ یہ مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ نے ان پر دن میں پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں، جب وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر زکوٰۃ بھی فرض کی ہے جو دولت مندوں سے لی جائے اور غریبوں کو دی جائے اور جب وہ اس کو مان لیں تو زکوٰۃ میں چن چن کر ان کے اچھے مال چھانٹ کر نہ لو اور مظلوم کی بدعا سے بچنا کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں۔“

۵:.....تبلیغ و دعوت کے ان اصولوں میں سے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں نمایاں معلوم ہوتے ہیں، ایک غرض ہے، یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا انتظار نہیں فرماتے تھے کہ لوگ آپ کی خدمت میں خود حاضر ہوں، بلکہ آپ اور آپ کے داعی لوگوں تک خود پہنچتے تھے اور حق کی دعوت دیتے تھے، یہاں تک کہ کبھی کبھی لوگوں کے گھروں تک خود پہنچ جاتے تھے اور کلمۂ حق کی دعوت پیش فرماتے تھے، مکہ معظمہ سے سفر کر کے طائف تشریف لے گئے اور وہاں عبد یا لیل رئیسوں کے گھروں پر جا کر تبلیغی فرض ادا فرمایا، حج کے موسم میں ایک ایک قبیلہ کے پاس تشریف لے جاتے اور ان کو حق کا پیغام پہنچاتے اور ان کے ترش و تند جوابوں کی پرواہ نہ فرماتے تھے، آخر اسی تلاش میں یثرب کے وہ سعادت مند ملے جن کے ہاتھوں سے ایمان و اسلام کی دولت مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو منتقل ہوئی۔

صلح حدیبیہ کے بعد جب ملک میں امن و امان اور اطمینان ہوا تو اسلام کے سفیر مصر و ایران و حبش کے بادشاہوں اور عمان و بحرین اور یمن اور حدود شام کے رئیسوں کے پاس اسلام کا پیغام لے کر پہنچے اور مختلف صحابہؓ نے عرب کے مختلف صوبوں اور قبیلوں میں جا کر اسلام کی تبلیغ کی، حضرت مصعب بن عمیرؓ مدینہ منورہ

گئے، حضرت علیؓ اور معاذ بن جبلؓ نے یمن کا رخ کیا یہی حال ہر دور کے علماء حق اور ائمہ دین کا رہا۔

اس سے معلوم ہوا کہ داعی و مبلغ کا خود فرض ہے کہ وہ لوگوں تک پہنچے اور حق کا پیغام پہنچائے، بعض صاحبوں کو خانقاہ نشینوں کے موجودہ طرز سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ان خاصان حق کا ہمیشہ سے یہی طریقہ رہا ہے، حالانکہ یہ سراسر غلط ہے، ان بزرگوں کی سیرتوں اور تذکروں کو کھول کر پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ یہ کہاں کے رہنے والے تھے، فیض کہاں پایا اور جو پایا اس کو کہاں کہاں بانٹا اور کہاں جا کر زیر زمین آرام کیا اور یہ اس وقت کیا جب دنیا ریلوں، لاریوں، موٹروں اور سفروں دوسرے سامان راحت سے محروم تھی، معین الدین چشتیؒ سیستان میں پیدا ہوئے، چشت واقع افغانستان میں دولت پائی اور راجپوتانہ کے کفرستان میں آ کر حق کی روشنی پھیلائی، فرید شکر گنجؒ سندھ کے کناروں سے دہلی تک اور دہلی سے پنجاب تک آئے گئے اور ان کے مریدوں در مریدوں میں حضرت نظام الدین سلطان الاولیاءؒ اور پھر ان کے خلفاء کے احوال اور ان کے سفر کے مقامات اور مزارات کی جائے وقوع کو دیکھئے کہ وہ کہاں کہاں ہیں، کوئی دکن میں ہے، کوئی مالوہ میں ہے کوئی بنگال میں ہے، کوئی صوبہ جات متحدہ میں ہے۔

۶:..... اسلامی دعوت و تبلیغ کا ایک بڑا اصول نفیر ہے، یعنی دین کی طلب اور تبلیغ کے لئے ترک وطن کر کے ایسے مقامات پر جانا جہاں دین حاصل ہو سکے اور پھر وہاں سے لوٹ کر اپنے وطن میں آ کر اپنے قبیلوں اور ہم قوموں کو اس فیض سے مستفید کرنا، سورۂ نساء کی حسب ذیل آیت اگرچہ اپنے شان نزول کے لحاظ سے جنگ کے موقع کی ہے، مگر الفاظ کے عموم کی بناء پر ہر اس نفیر کو شامل ہے جو کسی کار خیر کے لئے جائے، جیسا کہ قاضی بیضاویؒ نے بھی اپنی تفسیر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

"اے ایمان والو! اپنا بچاؤ کرو، الگ الگ یا جتھا بنا کر گھروں سے نکلو۔"

(نساء)

ایک دوسری آیت خاص اسی مفہوم کی سورۂ برأت میں ہے:

"یہ تو نہیں ہو سکتا کہ سارے مسلمان گھروں سے نکلیں، تو کیوں ہر گروہ سے کچھ لوگ اس فرض کے لئے گھروں سے نہیں نکلتے کہ وہ دین کا علم حاصل کریں اور جب وہ اپنے گھر لوٹ کر آئیں تو اپنے لوگوں کو اللہ سے ڈرائیں تاکہ وہ بھی برائیوں سے بچنے لگیں۔"

عہد نبویؐ میں اسی طرح وفود بنا بنا کر الگ الگ قبیلوں سے لوگ مدینہ منورہ آتے اور ہفتہ عشرہ بعض دو عشرے رہ کر دین کا علم اور عمل حاصل کر کے اپنے اپنے گھروں کو دین سے واقف کرنے کا کام کرتے تھے۔

۷:..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مسجد نبویؐ کے چبوترے پر اصحاب صفہ کا حلقہ تھا، جن کا کہیں گھر نہ تھا، گزر بسر کی صورت یہ تھی کہ یہ لوگ دن کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ لاتے اور بازار میں بیچتے اور رات کو کسی معلم کے پاس دین کا علم سیکھتے اور ضرورت کے وقت مختلف مقاموں میں بھی مبلغ بنا کر بھیجے جاتے، ضروری مشاغل کے علاوہ دین کی تعلیم اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیضیابی اور عبادت میں انہماک ان کے کام تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک ایسے گروہ کا انتظام رکھنا بھی نظم جماعت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ گروہ خاص تربیت کے ماتحت پیدا ہوتا تھا اور صحبت نبویؐ کی برکت سے ظاہری و باطنی فیوض سے مالا مال رہتا تھا اور تبلیغ و دعوت کے کاموں کو انجام دیتا تھا۔

۸:..... تعلیم کا طریقہ زیادہ تر فیض صحبت، زبانی تعلیم و احکام و مسائل کا ذکر اور مذاکرہ اور ایک دوسرے سے پوچھنا اور سیکھنا اور بتانا تھا، ان کی راتیں عبادتوں سے معمور رہتی تھیں اور شب و روز کاروبار دین میں مصروف۔

اوپر کی سطروں میں تبلیغ و دعوت کے اصول پر جو کچھ آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوگا کہ اسلام کے تبلیغی اصول اور دعوت کے طریق کیا ہیں اور جہاں تک ہم سمجھ سکتے ہیں کہ جو کام مولانا محمد الیاسؒ نے شروع کیا تھا اور تبلیغ و دعوت کے نام سے جو سلسلہ جاری ہے، وہ موجودہ تبلیغ کی تمام دینی تحریکوں میں اصل اول سے زیادہ قریب ہے۔

حکیمانہ تبلیغ و دعوت امر بالمعروف، نہی عن المنکر اسلام کی بنیاد، اسلام کی قوت، اسلام کی وسعت اور اسلام کی کامیابی منحصر ہے، اور آج سب زمانوں سے بڑھ کر اس کی ضرورت ہے اور مسلمانوں کو دینی مسلمان بنانا ہے، حق یہ ہے کہ آج مسلمانوں کی حالت دیکھ کر قرآن کی یہ ندا:

"اے مسلمانو! مسلمان بنو۔"

کو پورے زور و شور سے بلند کیا جائے، شہر شہر، گاؤں گاؤں اور در در پھر کر مسلمانوں کو مسلمان بنانے کا کام کیا جائے اور اس راہ میں وہ جفاکشی، وہ محنت کوشی اور وہ ہمت اور وہ قوت مجاہدہ صرف کی جائے جو دنیا دار لوگ دنیا کے عز و جاہ اور حصول طاقت میں صرف کر رہے ہیں، جس کے حصول مقصد کی خاطر ہر متاع عزیز کو قربان کرنے اور ہر مانع کو بیچ سے ہٹانے کے لئے ناقابل تسخیر طاقت پیدا ہوتی ہے، کشش سے، کوشش سے، جان و مال سے، ہر راہ سے اس میں قدم آگے بڑھایا جائے اور مقصد کی خاطر وہ جنوں کی کیفیت اپنے اندر پیدا کی جائے جس کے بغیر دین و دنیا کا نہ کوئی کام ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ ☆......☆

جرم وسزا کا اسلامی نظام

مولانا زین العابدین اعظمی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ جس مخزومی عورت نے چوری کر لی تھی قریش کو اس کے مقدمے کا بڑا فکر ہوا' آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ آنحضرت ﷺ سے اس عورت کو بچانے کے لئے کون آدمی بات کرے؟ پھر آپس میں یہ طے کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے سب سے پیارے شخص اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ ہی ہمت کرکے گفتگو کر سکتے ہیں اور تو کسی کو ہمت نہ ہوگی' الغرض اسامہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے سفارش کی کہ اس عورت کو چھوڑ دیا جائے' آنحضرت ﷺ نے سخت ناراضگی کے لہجہ میں فرمایا کہ اسامہ! کیا تم حدود الٰہی میں سے ایک حد جاری نہ کرنے کی سفارش کرتے ہو؟ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک خطبہ دیا' اس میں ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلے والی امتیں اسی وجہ سے تباہ ہو چکی ہیں کہ جب ان میں کوئی شریف آدمی چوری کرتا تو وہ لوگ اس کو چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور شخص چوری کرتا تو اس کو سزا دے دیتے تھے اور اللہ کی قسم کھا کر میں کہتا ہوں کہ اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں۔"

(ابوداؤد' ترمذی)

جرم کی سزا دینے میں چھوٹے بڑے کسی کی رعایت نہیں۔

اس واقعہ کی تفصیل صحیح مسلم میں یہ بیان کی گئی ہے کہ قریش کا ایک بہت معزز خاندان بنو مخزوم تھا' فتح مکہ کے دن اس خاندان کی ایک عورت نے چوری کر لی اور چوری ثابت ہوگئی' بنو مخزوم اس ذلیل حرکت کی وجہ سے بہت شرمندہ تھے' ان کے لئے یہی ذلت کیا کم تھی کہ ان کے خاندان کی ایک عورت نے خاندانی شرافت پر داغ لگا دیا اور ابھی مقدمہ آنحضرت ﷺ کی بارگاہ عالی میں پہنچے گا تو چوری کی سزا ہاتھ کاٹنے والی اس عورت کو دی جائے گی' جس سے چوری کا مستقل اعلان ہو جائے گا' ان لوگوں نے سوچا کہ اس سزا کو کسی طرح رکوا دیا جائے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کسی کو سفارش کرنے کے لئے بھیجا جائے' ان کی نظر انتخاب حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پر پڑی جو گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے بہت چہیتے تھے' کیونکہ ان کے والد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی زندگی ہی میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ گئے تھے' ان کے باپ اور چچا جب حضرت زید رضی اللہ عنہ کو لینے آئے اور آنحضرت ﷺ نے حضرت زید کو چلے جانے کی اجازت دے دی' تب بھی حضرت زید رضی اللہ عنہ نہیں گئے اور آنحضرت ﷺ کی غلامی پر فخر کر کے آنحضرت ﷺ ہی کے پاس رہ گئے' آنحضرت ﷺ نے ان کو متبنیٰ بنا لیا تھا' دوسری خصوصیت حضرت اسامہ کی یہ تھی کہ ان کی والدہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا تھیں جو حضرت عبداللہ کی خادمہ تھیں اور آنحضرت ﷺ کو گود کھلائی تھیں' آنحضرت ﷺ بعد میں بھی برابر ان کی زیارت کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے بلکہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی ام ایمن کی زیارت کے لئے ان کے گھر گئے' حضرت ام ایمن بہت سمجھدار اور آخرت کا ذہن رکھنے والی خاتون تھیں' ان دونوں کو دیکھ کر رونے لگیں۔ حضرات شیخین نے ان کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ آپ نہ روئیں' حضور اقدس ﷺ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ گئے وہاں آپ کو جو درجات ملے ہیں وہ دنیا کی تمام نعمتوں سے اچھے ہیں' ام ایمن رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں خوب جانتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس والی نعمتیں رسول اللہ ﷺ کے لئے بہت اعلیٰ و ارفع ہیں اور اس پر میں نہیں روتی بلکہ مجھ کو اس پر رونا آ گیا کہ آنحضرت ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد وحی الٰہی کا سلسلہ بھی بند ہو گیا' اب تو آسمان سے وحی بھی نہیں آئے گی' یہ سن کر حضرات شیخین بھی رو دیئے' تیسری خصوصیت حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی ذاتی صلاحیتیں تھیں' یہاں تک کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو امیر جیش بنا دیا تھا جب کہ آپ کی عمر صرف اٹھارہ سال

کی تھی۔

الغرض انہیں گوناگوں خصوصیتوں کی وجہ سے بنو مخزوم نے چوری کرنے والی عورت کو سزا سے بچانے کے لئے حضرت اسامہ ؓ کو حضور اقدس ﷺ کے پاس بھیجا' حضرت اسامہ ؓ گئے اور درخواست پیش کی' آنحضرت ﷺ کو بہت غصہ آیا' یہاں تک کہ چہرہ پر غصہ کا رنگ ظاہر ہوگیا اور اپنے چہیتے کو ڈانٹ کر فرمایا کہ اسامہ! تم کس بات کی سفارش کرتے ہو' حدود الٰہی کو پامال کرنے کی؟ یہ حدود اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ ہیں' ان میں سے ایک حد بھی نہیں چھوڑی جا سکتی۔

اس کے بعد شام کو آنحضرت ﷺ نے ایک بلیغ خطبہ دیا' اس میں یہ بھی فرمایا کہ لوگو! حدود الٰہی قائم کرنے میں سب لوگ برابر ہیں' تم سے پہلے جو قومیں تباہ ہو چکی ہیں' ان کی ایک بہت بڑی وجہ یہی تھی کہ وہ لوگ جرائم کی سزا دینے میں امتیاز برتا کرتے تھے' اگر کوئی بڑا آدمی جرم کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور اگر کمزور قسم کا آدمی جرم کرتا تو اس کو سزا دیتے تھے۔

قبیلہ مخزومی کی ایک شریف زادی کے بارے میں تم سفارش کرتے ہو کہ اس کو چوری کی سزا نہ دی جائے' اس سے ہزاروں درجہ شریف زادی میری لخت جگر فاطمہ بنت محمد ﷺ ہیں' جنتی عورتوں کی سردار ہیں' لیکن اللہ پاک کی قسم کھاتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے' اگر وہ شریف زادی بھی چوری کرنے کا جرم کرے تو چوری کی سزا میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا' اس کے بعد مخزومیہ عورت کا ہاتھ کاٹ ڈالا گیا۔

یہ ہے اسلام میں جرائم کی سزا' جس میں کسی کا کوئی امتیاز نہیں' سب کا جرم اور سب کی سزا یکساں ہے اور وہ سزائیں انسانوں کی بنائی ہوئی نہیں ہیں' اسی احکم الحاکمین کی بنائی اور مقرر کی ہوئی ہیں' جس نے انسانوں کو جان بخشی اور عقل و فہم عنایت فرمائی' ایسی عمدہ آنکھیں دیں کہ ساری دنیا ویسی بنانے سے عاجز ہے اسی کا حکم ہر انسان کو ماننا واجب ہے اور جب حکم کی کسی نے خلاف ورزی کی تو اس کو اس کا خمیازہ ضرور بھگتنا ہے۔

ہمارے ملک کی طرح نہیں کہ مجرموں کی علی الاعلان پاس داری کی جائے' جرم کرنے کے لئے مکان مہیا کیا جائے' پھر مجرم کو بچانے کے لئے اوپر سے نیچے تمام اہل کار ملی بھگت کر لیں' جرائم کی تحقیقات کرنے اور کرانے میں آنا کانی کی جائے اگر تحقیقات میں کسی طرح مجرمین پکڑ میں آنے لگیں تو یکطرفہ کارروائی دے کر حکومتی سطح پر تحقیقاتی رپورٹوں کو رد کر دیا جائے اور اگر کسی طرح وہ تحقیقات عدلیہ تک پہنچ جائیں تو اس میں تکنیکی شوشہ نکال کر بڑے بڑے مجرموں کو الگ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

حدیث کی کتابوں میں ایک یہودی اور یہودیہ کا قصہ ملتا ہے' یہود وہ قوم ہے جو اپنے آپ کو نسلاً سب سے بہتر سمجھتی ہے وہ یہ بھول جاتی ہے کہ اس کی بناوٹ بھی اسی ناپاک پانی سے ہوئی ہے' جس سے تمام جاندار پیدا ہوتے ہیں اور اس کی روح بھی جب جسم کو چھوڑ دے گی تو تمام جاندار چیزوں کی طرح اس کا جسم بھی سڑ گل جائے گا اور ویسا ہی تعفن پیدا ہوگا جیسا کہ تمام ہی جسموں کا حال ہوتا ہے اور اسی قوم کی نقالی میں کچھ دوسری قومیں بھی اپنے کو پاک تر اور دوسروں کو شودر اور ملیچھ سمجھتی ہیں اور اپنی ابتداء اور انتہا کو بھول جاتی ہیں۔

وہ قصہ یہ ہے کہ ایک شادی شدہ یہودی مرد نے شادی شدہ یہودن سے بدکاری کر لی' جب دوسرے یہودیوں کو معلوم ہوا تو ان سب نے مل کر یہ سازش کی کہ چلو رسول اللہ ﷺ کے پاس' ان کے دین میں کچھ احکام نرم ہیں' اگر ان دونوں کی کوئی نرم سزا تجویز کر دیں تو اس کو مان لیا جائے گا اور ہم کو خدا تعالیٰ کے پاس یہ عذر کرنے کا موقع رہے گا کہ ہم نے ایک نبی کے حکم کے مطابق یہ ہلکی سزا دی ہے اور اگر وہ بھی ان دونوں کو سنگسار کرنے کی سزا تجویز کریں گے' تب ہم نہیں مانیں گے اور اپنے بناوٹی قانون کے موافق سزا دے دیں گے' یہ سوچ کر یہودی آنحضرت ﷺ کے پاس آئے' آنحضرت ﷺ صحابہ کرام ؓ کے مجمع میں مسجد کے اندر تشریف فرما تھے یہود نے کہا کہ ابوالقاسم! (آنحضرت ﷺ کی کنیت ہے) یہودیوں نے یا رسول اللہ کہہ کر نہیں بلایا بلکہ کنیت ذکر کر کے مخاطب کیا کہ اے ابوالقاسم آپ اس مرد و عورت کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں' جنہوں نے زنا کر لیا ہے؟

آنحضرت ﷺ نے کچھ جواب نہ دیا' بلکہ اٹھ کر ان کے ساتھ یہودیوں کے دفتر تعلیمات میں گئے' جب آپ دفتر کے دروازہ پہنچے تو یہودیوں نے آپ کے لئے فرش بچھا دیا پھر آپ اس پر تشریف فرما ہوئے اور کہا کہ توراۃ لے آؤ' وہ لوگ توراۃ لے کر آئے تو آنحضرت ﷺ نے اپنے نیچے کا فرش نکال کر اس پر توراۃ کو رکھا اور فرمایا کہ:

"اے کتاب الٰہی! میں تجھ پر ایمان لایا اور جس ذات نے تم کو اتارا ہے اس پر بھی میرا ایمان ہے' پھر آپ نے ان کے علماء کو بلایا اور پوچھا کہ توراۃ میں اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جو شادی شدہ ہوتے ہوئے زنا کرلے؟ اس اللہ کی قسم کھا کر بتلاؤ! جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ اتاری ہے' سب نے کہا کہ بدکار مرد و عورت کے چہرہ پر کالک مل دیں گے اور کوڑے بھی ماریں گے اور دونوں

بدکاروں کو گدھے پر اس طرح سوار کریں گے کہ دونوں کی پیٹھ ایک دوسرے کے مقابل رہے گی' اس طرح سوار کر کے ان کو ذلت کے ساتھ گھمائیں گے' لیکن ان کا ایک جوان عالم خاموش رہا' کچھ نہیں بولا' آنحضرت ﷺ نے اس جوان سے کہا کہ تم بولو؟ توراۃ میں اس جرم کی کیا سزا ہے؟ اس نے کہا کہ آپ نے اتنی سخت قسم دی ہے' اس لئے میں صاف صاف بتاتا ہوں: توراۃ میں اس جرم کی سزا یہی ہے کہ پتھر سے مار مار کر ہلاک کر دیا جائے' پھر توراۃ کھولی گئی' تب بھی ایک شخص نے آیت رجم کو ہاتھ سے چھپا کر کر آگے پیچھے کی آیتیں پڑھیں' عبداللہ بن سلامؓ نے کہا کہ حضرت اس کا ہاتھ ہٹوائیے' جب ہاتھ ہٹایا تو سنگسار کرنے کی آیت نکل آئے' وہ پڑھی گئی پھر آنحضرت ﷺ نے اس نوجوان سے پوچھا کہ اس صریح آیت کے خلاف تم لوگ کس طرح عمل کرنے لگے؟ اس نے جواب دیا کہ ایک مرتبہ بادشاہ کے قریبی رشتہ داروں نے یہی جرم کر لیا تھا تو حکومت کے دباؤ میں اس مجرم کو چھوڑ دیا گیا پھر ایک معمولی آدمی سے یہی جرم سرزد ہوا تو اس کو سنگسار کرنے میدان میں لے گئے' اس مجرم کے خاندان والے نکل آئے کہ پہلے مجرم کو بھی لے آؤ' دونوں کو ایک ساتھ سنگسار کیا جائے گا' اس پر آپس میں لڑائی ہو جانے کا اندیشہ ہوا تو علماء نے کہا کہ لاؤ کچھ ایسی سزا مقرر کر لو جو سب کو دی جائے۔ الغرض حدود الٰہی کو چھوڑ کر یہ نئی سزا تجویز ہو گئی۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میں توراۃ والی سزا ہی ان دونوں مجرموں کو دلواؤں گا' چنانچہ دونوں کو میدان میں کھڑا کر کے پتھر سے مار مار کر ہلاک کر دیا گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے اللہ! آپ گواہ رہیں کہ ان لوگوں نے آپ کے جس حکم کو مردہ کر دیا تھا' اس کو میں نے زندہ کر دیا۔" (سنن ابوداؤد)

ملکی جرائم پر اور ملک کی تباہی پر مگرمچھ کے آنسو بہانے والے غور کریں' اس واقعہ میں بہت عبرت اور نصیحت ہے خصوصاً حکمران' انتظامیہ' عدلیہ کے ذمہ داران جو حکومت اور سیاست سے متعلق افراد کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں اور ان کے جرائم کو چھپانے کے لئے ہر ممکن تدبیر کر کے مجرمین سے رشوت لے کر بچانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ملک کو تباہی کے غار میں دھکیلنے کے لئے ان کا ذاتی رول اور دباؤ میں آکر گھناؤنا کردار کیا ہے اور دباؤ ڈالنے والے بھی سوچیں کہ ہم ملک کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں یا برائی؟؟

☆☆..............☆☆

اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے

اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے کو لوگ کار ثواب نہیں سمجھتے بلکہ اس کو مجبوری کا ایک تاوان یا نفس کا ایک تقاضا سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے اہل وعیال اور اعزہ و اقارب پر بھی ثواب کی نیت سے خرچ کرنا چاہئے' اس صورت میں جو خرچ اس مد میں ہو گا وہ سب صدقہ کی طرح آخرت کے بینک میں جمع ہو گا' بلکہ دوسرے لوگوں پر صدقہ کرنے سے زیادہ اس کا ثواب ہے۔ (معارف الحدیث)

پیشگوئی

حضرت شاہ عبدالرحیم سہارن پوریؒ صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ آپ ہی سے بیعت اور آپ کے نمایاں خلفاء میں سے تھے۔

ان کی کرامت کا یہ واقعہ مذکور ہے: پنجاب سے ایک مرتبہ حکیم نورالدین آپ کے علاج کے لئے آئے، آپ نے ان سے پوچھا کہ پنجاب میں ایک جگہ قادیان ہے، وہاں کے کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا؟ حکیم نورالدین نے بتایا، نہیں کسی نے نہیں کیا؟

اس پر آپ نے ارشاد فرمایا: وہاں سے ایک شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا، لوح محفوظ میں تمہارا نام اس کے مصاحب کے طور پر لکھا ہے، تمہارے اندر (بحث و مناظرہ میں الجھنے کا) ایک مرض ہے اور یہی مرض تم کو وہاں لے جائے گا اور تم اس میں مبتلا ہو گے!

ہم تو اس وقت نہیں ہوں گے مگر تم کو پہلے سے آگاہ کئے دے رہے ہیں۔

چنانچہ یہ پیشگوئی لفظ بلفظ پوری ہوئی، قادیان میں غلام احمد نے نبوت کا دعویٰ کیا، حکیم نورالدین اس سے مناظرہ کے لئے گیا اور اس کے دام فریب میں پھنس کر اس کی تصدیق کی حتیٰ کہ اس کا پہلا نائب بنا۔

(مرسلہ: ابوفضیل احمد خان)

پیکرِ مساوات

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

مرسلہ: ملک جلیل احمد

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مسجد نبویؐ ہی ایوانِ حکومت تھا اور اسی کے کچے فرش پر بیٹھ کر ایشیا اور افریقہ کی قسمتوں کے فیصلے ہوا کرتے تھے پانچوں وقت نماز بھی خلیفہ اسی مسجد میں پڑھایا کرتے تھے، غرض ہر وقت مسجد آنے جانے والوں سے بھری رہتی تھی۔

حضرت عباسؓ عمِ رسول کریمؐ کا مکان مسجد نبویؐ سے متصل تھا اور اس کا پرنالہ مسجد میں گرتا تھا، بعض اوقات اس میں سے پانی آتا تو نمازیوں کو تکلیف ہوتی، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں مسجد کے احترام اور نمازیوں کے آرام کی خاطر اس پرنالے کو اکھڑوادیا، حضرت عباسؓ مالک مکان اس وقت موجود نہ تھے، حضرت عباسؓ باہر سے واپس تشریف لائے تو جبر دیکھ کر نہایت برافروختہ ہوئے اور فوراً مفتی شہر کے ہاں خلیفۂ وقت پر دعویٰ کردیا۔

اس پر شہر کے مفتی حضرت سید انصار ابی بن کعبؓ نے دنیا کے سب سے بڑے حکمران کے نام فرمان جاری کردیا کہ آپ کے خلاف عباسؓ بن عبدالمطلب نے مقدمہ دائر کیا ہے اور انصاف چاہا ہے۔ آپ حاضر ہوکر مقدمے کی پیروی کریں، کوئی معمولی حاکم یا بادشاہ ہوتا تو اس طلبی کو اپنی سخت توہین سمجھتا، مگر عرب وعجم کا شہنشاہ نہایت سادگی کے ساتھ تاریخ مقررہ پر حضرت ابی ابن کعبؓ کے مکان پر حاضر ہوگیا۔ اندر آنے کی اجازت دیر سے ملی کیونکہ حضرت ابی بن کعبؓ نہایت مصروف تھے اتنی دیر امیر المومنین باہر کھڑے انتظار کرتے رہے۔

مقدمہ پیش ہوا حضرت عمرؓ خلیفہ وقت نے کچھ کہنا چاہا، مگر قاضی منصف نے فوراً روک دیا اور فرمایا کہ مدعی کا حق ہے کہ پہلے اپنا دعویٰ پیش کرے، مہربانی فرماکر آپ خاموش رہیں، بات قاعدہ کی تھی امیر المومنین خاموش ہوگئے اور مقدمے کی کارروائی شروع ہوگئی، حضرت عباسؓ نے بیان دیا: جناب میرے مکان کا پرنالہ شروع سے مسجد نبویؐ کی طرف تھا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی یہیں تھا اور حضرت خلیفہ اول ابوبکرؓ کے عہد میں بھی اسی جگہ رہا، مگر اب امیر المومنین نے اسے اکھاڑ کر پھینک دیا، جس سے میرا نقصان بھی ہوا اور مجھے بے حد تکلیف بھی پہنچی، میری عرض ہے کہ مجھ سے انصاف کیا جائے۔

حضرت ابی ابن کعبؓ نے فرمایا: بیشک انصاف ہوگا فرمایئے یا امیر المومنین! آپ صفائی میں کیا کہنا چاہتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے کہا: یہ پرنالہ بیشک میں نے اکھاڑوادیا اور میں ہی اس کا ذمہ دار ہوں، ابی ابن کعبؓ: آپ کو دوسرے کے مکان میں اجازت کے بغیر اس طرح مداخلت بیجا سے اجتناب کرنا چاہئے تھا، آپ وجہ بتائیں کہ آپ نے یہ کیوں کیا؟ حضرت عمرؓ! اے محترم ابوالطفیل! پرنالہ میں سے بعض اوقات پانی آتا تو چھینٹیں اڑ کر نمازیوں پر پڑتیں اس لئے لوگوں کی سہولت اور آرام کے لئے میں نے پرنالے کو اکھڑوادیا اور اس معاملے میں جہاں تک میں سمجھتا ہوں میں نے کوئی ناواجب بات نہیں کی۔ ابی ابن کعبؓ! بولئے ابوالفضل! آپ اس کے جواب میں کیا کہنا چاہتے ہیں؟ حضرت عباسؓ! واقعہ یہ ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے خود اپنی مبارک چھڑی سے زمین پر نشانات قائم کئے اور میں نے انہی نشانات پر اپنا مکان بنایا جب مکان بن چکا تو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پرنالہ اپنے حکم سے اس جگہ رکھوایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ میرے کندھوں پر کھڑے ہوجاؤ اور پرنالہ یہیں لگادو میں نے ادباً انکار کیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت اصرار فرمایا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نیچے کھڑے ہوگئے اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر چڑھ کر یہ پرنالہ یہاں لگادیا تھا، جہاں سے اب امیر المومنین نے اسے اکھڑوادیا ہے۔ ابی ابن کعبؓ! ابوالفضل! کیا آپ اس واقعہ پر کوئی گواہ پیش کرسکتے ہیں؟

حضرت عباسؓ! ایک دو نہیں متعدد گواہ پیش کئے جاسکتے ہیں۔ ابی ابن کعبؓ! اچھا لایئے اور ابھی لایئے تاکہ جھگڑے کا فیصلہ ابھی ہوجائے۔ حضرت عباسؓ باہر نکلے اور چند انصاریوں کو تلاش کرکے لائے جنہوں نے شہادت دی کہ ہمارے سامنے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کے کندھوں پر چڑھا کر پرنالہ نصب کرنے کا حکم دیا تھا، گواہی ختم ہوتے ہی دنیا کا سب

سے بڑا حکمران جواب تک آنکھیں نیچے کئے کھڑا تھا آگے بڑھا اور حضرت عباسؓ سے کہنے لگا: ابوالفضل! خدا کے لئے میرا قصور معاف کردیجئے۔ مجھے ہرگز علم نہ تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہاں پرنالہ لگایا تھا، ورنہ بھول کر بھی یہ فعل سرزد نہ ہوتا۔ بھلا میری کیا مجال تھی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لگوائے ہوئے پرنالے کو اکھڑواتا، یہ جو کچھ ہوا، لاعلمی میں ہوا، اور اب اس کی تلافی اسی طرح ہوسکتی ہے کہ آپ میرے کندھوں پر کھڑے ہوکر پرنالے کو اپنی جگہ پر لگادیں۔

ابی ابن کعبؓ! ہاں امیرالمومنین انصاف یہی چاہتا ہے اور آپ کو ایسا ہی کرنا چاہئے، تھوڑی دیر کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ قیصر و کسریٰ جیسے بادشاہوں کو شکست دینے والا جرنیل نہایت مسکینی کے ساتھ دیوار کے نیچے کھڑا ہے اور عباسؓ اس کے کندھوں پر چڑھ کر پرنالہ اسی جگہ پر لگا رہے ہیں۔

دنیا بھر کی تاریخ ٹٹول ڈالو اپنے مطاع کی اطاعت ومحبت، انصاف وعدل اور مساوات کا ایسا محیرالعقول کارنامہ کہیں لکھا ہوا نہیں ملے گا، جب پرنالہ نصب ہوچکا تو حضرت عباسؓ فوراً نیچے کود پڑے اور کہنے لگے: امیرالمومنین! یہ جو کچھ ہوا اس حق کے لئے ہوا، جو واقعی میرا تھا، اب جب کہ آپ کی انصاف پسندی کی بدولت وہ حق مجھے مل چکا ہے تو اس بے ادبی کی معافی چاہتا ہوں اور نہایت خوشی کیساتھ اپنے سارے مکان کو خدا کی راہ میں وقف کرتا ہوں آپ کو اختیار ہے کہ اسے گرا کر مسجد نبویؐ میں شامل فرمالیں تاکہ تنگی کی وجہ سے نمازیوں کو جو تکلیف ہوتی ہے وہ ایک حد تک دور ہوجائے۔

اللہ تعالیٰ میری اس قربانی کو قبول فرمائے۔ آمین۔

☆☆..................☆☆

مرسلہ: ابوعمیرا، گوجرہ

مسواک

احادیث میں مسواک کی بڑی فضیلت آئی ہے، ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میری امت تنگی اور مشقت میں پڑ جائے گی تو میں ہر وضو کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا، ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ مسواک کرنا منہ کی صفائی اور پروردگار عالم کی خوشنودی کا سبب ہے، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ جو نماز مسواک کرکے پڑھی جائے وہ بے مسواک والی نماز سے ستر درجے افضل ہے۔

علمائے کرام نے مسواک کے اہتمام میں ستر فائدے لکھے ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

☆......اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب ہے۔

☆......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

☆......مرتے وقت کلمہ نصیب ہوتا ہے۔

☆......مسواک کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اور فرشتے محبوب رکھتے ہیں۔

☆......منہ کی بدبو دور ہوتی ہے۔

☆......شیطان کو غصہ دلاتی ہے۔

☆......مسوڑھوں کو قوت دلاتی ہے۔

☆......بلغم کو قطع کرتی ہے۔

☆......صفراء کو دور کرتی ہے۔

☆......نگاہ کو تیز کرتی ہے۔

☆......روح کے نکلنے میں آسانی ہوتی ہے۔

☆......روزی میں اضافہ ہوتا ہے۔

☆......معدے کو قوی اور عقل کو تیز کرتی ہے۔

مرے حضور ﷺ سا کوئی نہیں زمانے میں!

مولانا عطاء الرحمٰن مفتاحی

بہت سے لوگ ہیں عظمت کے بالا خانے میں
مرے حضور ﷺ سا کوئی نہیں زمانے میں

دوائے دل کے تو ہیں مدعی بہت لیکن
حیات بٹتی ہے طیبہ کے آستانے میں

غرض کے ماروں کو ایثار جس نے سکھلایا
اسی کا نسخہ ہے اکسیر امن لانے میں

عرب کا چاند حلیمہ کی جھونپڑی میں ہے
اتر کے آئی ہے رحمت غریب خانے میں

مرے حضور ﷺ کی برکت سے روشنی آئی
اندھیرا ورنہ تھا تہذیب کے گھرانے میں

نبی کے پاک غلاموں کا تذکرہ بے شک
بہت بلند ہے تاریخ کے خزانے میں

لگا کہ خلد بریں کے کھلے ہیں در سارے
رسول پاکؐ کے اک بار مسکرانے میں

وہ مرتبہ کہ سر عرش تک رسائی ہے
یہ انکسار کہ ہیں بکریاں چرانے میں

ذرا اشارے پہ جنت سے نعمتیں آئیں
مگر تھی جو کی ہی روٹی پسند کھانے میں

جنہوں نے ظلم و ستم کی بس انتہاء کردی
انہیں بھی آپ رہے جنتی بنانے میں

یہ فیض نعت عطؔا کو جگہ ملے یا رب
ترے حبیبؐ کی رحمت کے شامیانے میں

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت سے تعاون

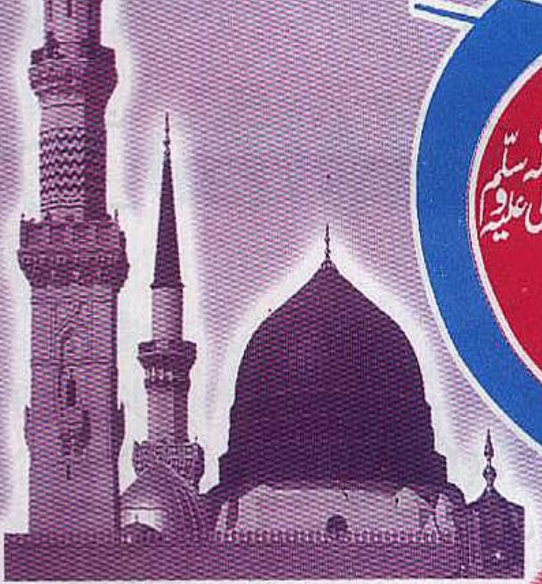

شفاعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعہ

- پوری دنیا میں قادیانیت کا تعاقب
- قادیانیوں کو دعوت اسلام
- سینکڑوں مبلغین کے ذریعہ قادیانی سرگرمیوں کا سدباب
- عدالتوں میں قادیانیت کے متعلق مقدمات کی پیروی
- سینکڑوں مساجد و مدارس کے ذریعہ مبلغین کی تیاری
- دفاتر ختم بنوت، دارالتصنیف اور لائبریریوں کا قیام
- قادیانیت سے تائب ہونے والے مسلمانوں کی نگہداشت
- ہفت روزہ ختم نبوت کے ذریعہ قادیانیت کا قلمی پوسٹ مارٹم

ان تمام صدقات جاریہ میں شرکت کے لئے
زکوٰۃ، صدقات، خیرات، فطرہ، عطیات عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کو عنایت فرمائیں

ترسیل زر کا پتہ

دفتر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان

فون: 4583486-45141522 فیکس: 4542277 اکاؤنٹ نمبر: 3464 یو بی ایل حرم گیٹ برانچ، ملتان

جامع مسجد باب الرحمت، پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ کراچی

فون: 2780337 فیکس: 2780340 اکاؤنٹ نمبر: 8-363 اور 2-927 الائیڈ بینک بنوری ٹاؤن برانچ

اپیل کنندگان

مولانا خواجہ خان محمد — امیر مرکزیہ

سید نفیس الحسینی — نائب امیر مرکزیہ

مولانا عزیز الرحمٰن — ناظم اعلیٰ

نوٹ: مجلس کے مرکزی دفاتر میں رقوم جمع کرا کے مرکزی رسید حاصل کر سکتے ہیں۔ رقوم دیتے وقت مد کی صراحت ضروری ہے تاکہ شرعی طریقے سے مصرف میں لایا جا سکے۔